

# تصانیف مولانا سید سلیمان ندوی

سیرۃ النبی جلد چہارم۔ منصب نبوت کی تشریح، قبل از اسلام عرب کے اخلاقی حالات، صبح سعادت کا طلوع، تبلیغ نبوی کے اصول، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغمبرانہ کام، اسلام اور اس کے عقائد تفصیلی اور حکیمانہ مباحث، فضیلت، صفیہ، قیمت باخلاف کاغذ سے، سے، قطع کلان۔

خیام، ختام کے سوانح، تصنیفات اور فلسفہ پر تبصرہ اور فارسی رباعی کی تاریخ اور باعیاات خیام پر مفصل مباحث اور آخر میں خیام کے چھوٹی و فارسی رسالوں کا ضخیمہ اور اس کے علمی باعیاات کے ایک نسخہ کی نقل شامل جو خیام کے مباحث پر بہت ہی مفصل کمال اور حتی المقدور متعقدانہ یہ سب سے پہلی کتاب لکھی گئی جو ضخامت ۲۰ صفحات کتابت و طباعت و کاغذ کا قیمت غیر مجلد سے مجلد لکھ

ارض القرآن حصہ اول عرب کا قدیم جغرافیہ، قارہ، ثور، سبا، اصحاب الایک، اصحاب الجفر، اصحاب الفیل کی تاریخ اس طرح لکھی گئی جو جس سے قرآن مجید کے بیان کردہ واقعات کی یونانی، رومی، اسلامی، لٹریچر اور موجودہ آثار قدیمہ کی تحقیقات سے تائید و تصدیق ثابت کی جو طبع دوم، ضخامت ۳۴۴ صفحہ قیمت علم

فصل القرآن، قرآن مجید کے اندر جن قوموں کا ذکر ہے انہیں سے زمین، اصحاب الایک، قوم ایوب، بنو سلیمان، اصحاب ادریس، اصحاب الجفر، بنو قیدار، انصار اور قریش کی تاریخ اور عرب کی تجارت، زبان اور مذہب پر تفصیلی مباحث، ضخامت ۲۰ صفحہ، قیمت چھ، طبع دوم،

عرب ہند کے تعلقات، عرب و ہند کے علمی تجارتی مذا

تعلقات و روابط پر وہ پانچ خطبے جو مولانا سید سلیمان ندوی نے ہندوستانی اکادمی الہ آباد میں دیئے وہ خوبصورت اردو نائپ میں مجلد شائع ہوئے ہیں، قیمت للہ، ضخامت ۱۱۱ صفحہ، سیرۃ عائشہ، طبع دوم، ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حالات زندگی اور ان کے مناقب فضائل و اخلاق اور ان کے علمی کارنامے اور ان کے اجتماعات اور مصنف سنی پر لکھا گیا اسلام کے متعلق انکی نگاہ سنجیدہ اور محققانہ کے جوابات، کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ، ضخامت ۳۵ صفحہ، قیمت ۱۰۰

حیات امام مالک، امام مالک کی سوانحی، علم حدیث کی مختصر تاریخ، فقہ دینی کی خصوصیت اور علم حدیث کی پہلی کتاب امام مالک پر تبصرہ طبع دوم، ضخامت ۱۰۰ صفحہ، قیمت ۱۰۰

رسالہ اہل السنۃ والجماعۃ، فرقہ اہل السنۃ والجماعۃ کے اصولی عقائد کی تحقیق اور سلف صالحین کے عقائد صحیح کی تشریح طبع دوم، قیمت ۳۵ صفحہ،

لغات جدیدہ عربی زبان کے اخبارات، رسائل، تصنیفات اور بول چال میں ہزاروں نوافذ پیدا ہو گئے ہیں جنکے بغیر بھل کی عربی زبان سمجھنا دشوار ہے، مصنف نے اس کتاب میں اس قسم کے چار ہزار عربی الفاظ کا لغت لکھا جو طبع دوم، قیمت ۱۰۰ صفحہ، ضخامت ۱۶۱ صفحہ،

دروس الادب ۲۰۱-۲۰۲ عربی کی پہلی اور دوسری دینیات جنکو مصنف نے عربی کے ابتدائی طالب علموں کیلئے اس طرح لکھا کہ وہ عام کو ادب اور تہذیب سے تعلیم و ترقی ہو سکے، اکثر درس میں داخل لکھائی طبع سوم مع ترمیم قیمت ۲۰۰ صفحہ، طبع سوم قیمت

جلد ۳۴ ماہ جمادی الاول ۱۳۵۳ھ مطابق ماہ ستمبر ۱۹۳۲ء عدد ۳

## مضامین

سید سلیمان ندوی

نذرات

۱۶۲-۱۶۴

قلندہ جدید چمن

۱۶۵-۱۶۳

مغرب کی خواتین غلطی اور اس کا ازالہ

۱۶۶-۱۸۶

کمال الدین وحشی

۱۸۸-۲۰۲

علم ایحوانات پر ایک نئی توجہ

۲۰۳-۲۰۶

نامہ کیمبرج

۲۰۸-۲۱۳

”فصل تبریزی“

۲۱۵-۲۱۶

دانش گاہ ایران

۲۱۸-۲۲۰

ترکی کی وزارت تعلیم و حفظان صحت کی دہ سالہ تدابیر

۲۲۰-۲۲۵

کرہ ارض کے علاوہ کسی اور سیارہ پر حیات کا امکان ”عز“

۲۲۵-۲۲۶

اخبار علمیہ

۲۲۶-۲۳۰

کلام طاہر

۲۳۱

طاہر، بھوپال ہاؤس لکھنؤ

خون جگر

۲۳۱-۲۳۲

جناب جگر مراد آبادی

مطبوعات جدیدہ

۲۳۲-۲۳۳

”

۲۳۳-۲۳۴



## شذرات

ابن خلدون نے اپنے مقدمہ میں بڑی خوبی کے ساتھ یہ ثابت کیا ہے کہ اشخاص و افراد کی طرح قوموں کی بھی عمریں ہوتی ہیں، وہ بھی پیدا ہوتی ہیں، جوان ہوتی ہیں، بوڑھی ہوتی ہیں، اور مر جاتی ہیں، دنیا کی تمام تاریخیں اس نظریہ کے ثبوت میں ہیں، اور کہا جاسکتا ہے، کہ اب فلسفہ تاریخ کا یہ مسئلہ مسئلہ ہے،

—:—

لیکن اگر زیادہ دقت نظر سے کام لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اقوام کے ان مختلف دوروں میں ان کی زندگی کے خصوصیات و لوازم بھی الگ الگ ہوتے ہیں، بچپن میں ان کی خواہشیں بچوں کی سی ہوتی ہیں، جوانی میں جوانوں جیسی اور بڑھاپے میں بوڑھوں کی طرح، ان اقوام کی تعلیم و تربیت کے اصول بھی نوعمروں ہی کی تعلیم و تربیت کے مشابہ ہوتے ہیں۔

—:—

قوم کے مصلح، قوم کے معلم ہوتے ہیں، کامیاب معلم وہی ہے جو تعلیم و تربیت کے ان فطری اصول کی پیروی کرتا ہو، جس طرح استادوں کو اس کی ضرورت ہے کہ طلبہ کو صبح خیزی، ورزش اور جدوجہد کی عادت دلائیں، اور ان کو آرام طلبی، راحت جوئی، وضع داری، اور فیشن پرستی سے باز رکھیں، اسی طرح قوم کے مصلح کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس کو عیش پرستی، آرام طلبی اور تعلل سے باز رکھ کر محنت، جدوجہد اور دوڑ دوپ میں مصروف رکھے، اور اسی سے اسلام کے جہاد کی حقیقت اہل بصیرت پر روشن ہوگی،

—:—

استادوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ بچپن سے ایک کام کو ٹھنک کر اگر دیکھی اور استقلال کے ساتھ اس کو اُن سے پوچھ

کر، اُسے تاکہ ان میں عزم و استقلال پیدا ہو، اور ایک کامیابی سے دوسری کامیابی کی ہمت پڑے، اور حوصلہ بڑھے، ایسے ہی قوم کے مصلح کا فرض ہے کہ قوم کے سامنے جب کوئی تجویز پیش کرے، تو اس پر عمل فوراً شروع کر دے، اور جیسے بنے اس سے اس کام کو پوری استعداد اور جوش و خروش کے ساتھ سرانجام کر لے، تاکہ ایک کامیابی کے نشہ میں وہ دوسرے کام کو پورے زور کے ساتھ کر سکے، اور اس طرح اس کا عزم بچتے، استقلال مضبوط، ہمت بلند اور حوصلہ بڑھتا رہے، اگر اس اصول کی پیروی نہ کی جائے تو قوم کا عزم روز بروز کمزور، استقلال مفقود، ہمت پست اور حوصلہ قہا ہوتا رہے گا،

—:—

ہندوستانی مسلمانوں کی موجودہ قومی تعلیم و تربیت کے دور میں اس اصول کی سب سے کم پروا لگائی، بلکہ انجمنوں اور کالجوں نے جو ان کی تعلیم و تربیت کیلئے بنائی گئی تھیں سب سے زیادہ ان کو نکلتا اور سست بنانے میں مدد دی، انھوں نے اپنی قوم کی یہ عادت ڈلوائی کہ وہ بڑی بڑی تجویزوں کے ذریعہ جنکا اصطلاحی نام "برعکس نہند نام رنگی کا فورہ رزولوشن" یعنی "اٹلار عزم" رکھا کر غلامی اس کے معنی بات بنانے کے قرار دیئے، نتیجہ یہ ہوا کہ قوم باتونی تو ہو گئی، مگر کامی نہ ہوئی،

—:—

ہر انجمن اور کانفرنس کی روداد ان قومی عزائم کی فہرست سے معمور ہو، مگر جانتک عمل کا سوال ہے، ان میں سے ہر ایک ہمارے قومی ضعف، روحی انحطاط اور اخلاقی کمزوری کا ایک ایک قدم ہے، مسلمانوں کی اگلی تاریخ کو چھوڑیے، خود ہندوستان میں ۱۹۴۷ء میں اس کا مشاہدہ ہوا، اور روسی اشتراکیوں اور کمالنی ترکوں نے اپنے پنج سالہ پروگراموں کے ذریعہ دکھا دیا کہ قوموں کی تعلیم و تربیت کس طرح ہوتی ہو، اسی ایک نکتہ سے احکام قرآنی کے بتدیج نزول کی حکمت سمجھ میں آسکتی ہے، قرآن کا مقصد دنیا میں ایک نئی قوم پیدا کرنا تھا، محض نظری و خیالی نہیں،

—:—

قوموں کی تعلیم و تربیت کا بڑا راز یہ ہے کہ جو بات جماعتی و اجتماعی حیثیت سے انکی زبان سے نکلوائی جائے، اس کو کر کے چھوڑا جائے، تاکہ ان کے حوصلہ کا ہر قدم آگے بڑھتا رہے، اور انکی زندگی کا ہر چشمہ جوش مارا رہے، اس عمل کا سب سے بڑا ہندو مصلح



ٹھیک اسی اصول پر گامزن ہو مگر مسلمان مصلحوں کے طریقہ تعلیم پر ذرا غور کرو کہ جنگ بلفان، جنگ طرابلس، واقعہ کانپور جنگ مسلم یونیورسٹی، جنگ عظیم، مسئلہ خلافت، مسئلہ مقامات مقدسہ، مسئلہ آزادی کس اہم مقصد پر ان کے مورچے مضبوطی کے ساتھ لگاڑے گئے اور انکو کامیاب بنا کر چھوڑا گیا، اب تک یہی عمل جاری ہے آج ایک بات اٹھائی گئی، اور کل وہ بھلوا دی گئی نتیجہ یہ ہے کہ روز بروز مسلمانوں کے حوصلے پست ہمتیں ضعیف اور ارادے کمزور ہوتے جا رہے ہیں، اور ان میں کسی ایک مورچہ پر چکر مارنے کا مادہ اب تک پیدا نہیں ہوا،

— ❦ —

تعلیم و تربیت کا دوسرا اصول یہ ہے کہ انفرادیت فنا کر کے جماعتیت پیدا کی جائے اور بار بار کے تجربوں سے طالب علم کو مشاہدہ کرا دیا جائے کہ جماعتی طاقت دنیا کی سب سے بڑی طاقت ہے، اور انفرادیت اس طاقت کی زندگی کیلئے زہر قاتل ہے، اسکولوں اور کالجوں کے تمام کھیل، اسی اصول کی تعلیم و تربیت کیلئے ہیں، بوڑھی قومیں جب فنا ہونے لگتی ہیں تو انکی موت کے جرائم اسی انفرادیت کی آب و ہوا میں پرورش پاتے ہیں جس کے نتیجہ کے طور پر ان میں خود غرضی، عدم انیثار، ذاتی اعزاز کی طلب، اور قومی خیانت پیدا ہو جاتی ہے، اسلام کی ہر عبادت میں جماعت کی تعلیم اسی اصول کی حفاظت کے لئے ہے،

— ❦ —

آج قوموں کے مصلح اسی جماعتی قوت کی تعلیم کے لئے ایک روز اور وقت مقرر کر کے کہیں ہر تال، کبھی جلوس، کبھی جلسہ عام، کبھی قومی روز و ہفتہ اور کبھی قومی عید اور تہوار منانے کی مشق کراتے ہیں، مدت متعینہ میں مقررہ چندہ کی مقدار فراہم کرنے کی تجویز بھی اسی اصول تعلیم کا ایک سبق ہے، کیا مسلمان قوم کے موجودہ مصلحوں سے یہ پوچھا جاسکتا ہے کہ ان کی قوم اس سبق کو کمان تک یاد کر سکی، اسی حالت میں ایسے اجتماعات عامہ کا اعلان کر اکر ان کا پورا ذکر ان مسلمانوں کے دماغ کو کس تیزی سے بڑھا رہا ہے، یا تو بغیر کافی استعداد اور تیاری کے قوم کے منہ سے کوئی بات نکلوانی چاہئے، اور نکلوانی چاہئے تو جس طرح ہو پوری کرانی چاہئے، اگر ایسا نہ کیا گیا تو قومی ضعف، عزم و نظام قومی، انضباط روح کو پیدا کر کے اس کو موت کے منہ میں ڈھکیل دینا ہے،

# مقالات

## قلم جدید و چین

۲ نومبر ۱۹۳۲ء

بلدیہ قذحار کی دعوت | قذحار کے بعض معززین کا خیال تھا کہ یہاں کی بلدیہ (میونسپلٹی) کی طرف سے ہم کو دعوت چاہئے  
سے معذوری | دی جائے، اس کے لئے ضرورت تھی کہ کم از کم ایک روز اور ٹھہرین، لیکن قرب وطن کے شوق نے

میں ایک دعوت چاہئے کی خاطر ایک روز کی قربانی گوارا نہ کی، سرور خان گویا نے بہت اصرار کیا، مگر معذرت ہی کرنی  
پڑی، اور یہی سٹے پایا کہ آج ۲ نومبر کی صبح کو قذحار سے روانگی ہوگی،

قذحار کے باہر | قذحار کے باہر بھی بعض عمارتیں اور شاہی و عمومی باغ ہیں، جنہیں سے بعض خاص طور سے مشہور  
ہیں، مگر وقت کی تنگی کے سبب ان کو دیکھنے کا موقع نہ ملا،

دفتر | سرکاری دفاتر کی عمارتوں میں بھی جانے کا اتفاق نہ ہوا، سنا ہے کہ دفاتر کی عمارتیں اچھی ہیں، مگر ابھی ان کی  
تنظیم موجودہ تمدن نظام پر نہیں ہوئی ہے، ایک قاضی ہر قسم کے مقدمات کا فیصلہ کرتا ہے،

ایک عجیب بات یہ ہے کہ فصل مقدمات کا طریقہ جس قدر ابتدائی ہوتا ہے، اسی قدر مقدمات کم اور اپنی طبعی  
صورت میں ہوتے ہیں، اور جس قدر ان کی ترتیب و تنظیم اور قواعد و قوانین کی پرتیچ راہیں اختیار کی جاتی ہیں، اسی قدر  
نزاعات اور پیچیدہ مقدمات کی کثرت ہوتی جاتی ہے، ہندوستان میں اس کا مشاہدہ ہر انسان کر سکتا ہے،

پردہ زراہداری کی تصدیق | جن لوگوں کے پاس ہندوستان سے افغانستان جانے کے پاسپورٹ ہوں ضرورت ہے  
کہ واپسی کے وقت واپسی کی اجازت اور تصدیق افغانی و برطانیہ دفاتر میں کرالیں، ہم نے آسانی کے خیال سے کابل



ہی میں اس مرحلہ کو طے کر لیا تھا، چنانچہ پہلے افغانی دفتر نے اور پھر برطانوی سفارت نے اس کی تصدیق کر دی،

”برائے رفیق ہندوستان، از راہ قلعہ جدید قندھار“

اس کے بعد برٹش لیکیشن کابل نے اس پر اپنی تصدیق ثبت کی،

جو لوگ کابل سے یہ تصدیق نامہ اپنے ساتھ نہ لائیں، ان کے لئے ضرورت ہے کہ وہ قندھار میں برٹش کنسل اور حاکم قندھار کے دفتر سے اپنے پاسپورٹوں پر یہ تصدیق کرا لیں، ورنہ ان کو افغانستان میں داخل ہونے کی اجازت نہ ملے گی،

قندھار سے روانگی | آٹھ بجے صبح کو چائے اور ناشتہ سے فرصت کر کے قندھار سے روانگی کا سامان ہونے لگا، وہی مین وہی موٹر تھی، جس پر کابل سے اب تک مین اور ڈاکٹر صاحب بیٹھ کر آئے تھے، یہ اچھی خاصی وسیع اور نہایت آرام دہ موٹر تھی، کہہ چکا ہوں کہ افغانستان سے ہندوستان آنے کے لئے اس بات کی ضرورت ہوتی ہے کہ برطانوی کنسل کے ایک فارم پر حسب ذیل امور کی خانہ پری کر کے وہاں پیش کرنا ہوتا ہے، موٹر کا نمبر، موٹر کے کارخانہ کا نام، مدت ہول موجودہ کیفیت، موٹر کے الیک کا نام، شو فر کا نام اور اسکی سند اجازت وغیرہ جس موٹر پر ہم سوار ہو کر آئے تھے وہ ہندوستان پہلے بھی آچکا تھا، اس لئے اسکا مذکورہ بالا فارم برطانوی کنسل کا پہلے ہی پاس کیا ہوا موجود تھا، اس کوئی دقت پیش نہیں آئی، اسی طرح جس لاری پر سامان آیا تھا، وہ بھی مذکورہ بالا مرحلہ کو پہلے ہی ختم کر چکی تھی، کہنے میں کہ یہ احتیاط اس لئے کیجاتی ہے تاکہ راستہ کی خرابی سے کوئی افتادہ پیش نہ آئے،

روانگی کے وقت گورنر صاحب قندھار کی طرف سے ایک خریطہ مین کچھ خشک میوے اور قندھاری انار کے دو ٹوکے تحفہ میں آئے یہ ٹوکے لاری میں لٹکا کر باندھ دیئے گئے تاکہ وہ دبے سے خراب نہ ہوں،

۹ بجے کے قریب ایک شاہی سے ہماری موٹر نے حرکت کی، لاری پر اسباب کے علاوہ وہ دستہ جو کابل سے آئے تھا، سوار تھا، سرد خان گویا جواب تک رفیق سفر میں، انکی تکلیف کے خیال سے ہم لوگ چاہتے تھے کہ وہ قندھاری مین ٹھہر جائیں، اور ہمارے ساتھ آگے نہ جائیں، لیکن ان کی ٹھانوازی نے یہ گوارا نہ کیا، اور شاید کہ شاہی حکم بھی یہی ہو

بہر حال وہ بھی ساتھ روانہ ہوئے،

راستہ | قندھار سے تھوڑی دور تک تو سڑک اچھی ملی، پل بھی تھے، مگر جون جون آگے بڑھتے گئے راستہ کی خرابی

تجلیف دہ ہوتی گئی، اکثر پل ٹوٹے تھے، موٹروں کو ایسے مقامات پر پل سے نیچے اتر کر پھر بندھی پر چڑھنا پڑتا تھا،

ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بہادر افغانوں کے ساتھ ان کی موٹر میں بھی بہادر ہوتی ہیں جو ان خوفناک راستوں کو اس طرح

بزرگوں کو طے کرتی ہیں، افغان شہزادوں کی بہادری کی بھی داد دینی چاہئے جو اس دشوار گزار راستہ کو سختی سے طے کر لیتے ہیں

تختہ پل | قندھار سے چند میل مکمل جانے کے بعد ایک منزل آئی جسکا نام تختہ پل تھا، شاید اس نام کی اصلیت یہ ہو کہ

یہاں تختوں کا کوئی پل بنا ہوا، بہر حال ایک چنگی کی سرکاری عمارت ہے جو بدستور خام ہے، یہاں قندھار سے آنے

جانے والوں کے اسباب کی دیکھ بھال ہوتی ہے، اور قابل محصول اشیاء پر چنگی وصول کیجاتی ہے، ہم لوگوں کے ساتھ

تختہ کے چند قالین تھے، ان پر کابل ہی سے سرکاری طور پر ایک دھیلے کے برابر مہر کیا ہوا چٹا سیسہ پتلے تار سے باندھ

دیا گیا تھا، یہ شاید کابل کے چنگی خانہ کا نشان ہو یا ان سامانوں پر یہ لگایا جاتا ہو جو حکومت چنگی کے محصول مستثنیٰ کرتی

قاعدہ کے مطابق ہماری موٹر میں بھی یہاں آکر رکیں، اور چنگی کے عمال نے سرسری طور سے دیکھ بھال کر ان کو آگے

بڑھنے کی اجازت دی،

سحر اسد و بلوچستان | اب ہم جیسے جیسے آگے بڑھ رہے تھے، راستہ خراب سے خراب تر آتا جاتا تھا، بلکہ یوں کہنے کے سرے

سے راستہ ہی نہ تھا، ایک لٹو ووق ریگستان تھا، جس میں ہر موٹر اور لاری اپنا راستہ آپ تلاش کر لیتی ہے، موٹروں اور

لاریوں کی آمد و رفت سے ہر جگہ ریگ مین گڈھے پڑ پڑ جاتے تھے، اور پھر ہوا کے جھونکے ان کو تھوڑی دیر میں بھر دیتے

آدھے آدھے پئے ریگ مین دھنس دھنس جاتے تھے، ایک موٹر یا لاری کے گزرنے سے ایک لیکھ جب خراب ہو جاتی ہے،

دوسرے موٹر اور لاری والا اپنی موٹر اور لاری کو اس سے بچا کر دوسری راہ اختیار کر لیتا تھا، اس طرح ہر روز ان سواریوں

کی آمد و رفت سے بسیوں نشان پڑ پڑ کر مٹ مٹ جاتے ہیں، جہاں کہیں ذرا مٹی سخت بھی تھی تو وہ ان بھاری سواریوں

سے جوڑ جوڑ ہو کر ہو گئی تھی، مگر با این ہمہ اسی ریت کے دلدل سے ہو کر بسیوں لاریاں آجاری تھیں، دیکھنے والوں کو







لکھنؤ مرگائی گئی،

جب تک یہ دفتری کارروائی ہوتی رہی، ہم نے کھانا کھایا، کھانے سے فارغ ہو کر ہم ہندوستان کی سرحد کی طرف آگے بڑھنے کو تیار ہوئے،

وداعی منظر اب ہم افغانستان کی آخری سرحد میں تھے، اور اپنے میزبانوں سے شاید ہمیشہ کے لئے جدا ہو رہے تھے۔ ایک اسلامی حکومت کے روح افزا مناظر کی سیر ابھی دل بھر کرنے بھی نہ پائے تھے کہ موسم بہار آفر ہو گیا، قلعہ کے تمام افسر اور عملہ نے رخصت خانہ ہاتھ ملائے، رفیق سفر سرور خان گویا جوتے دونوں تک جلوت و خلوت میں ساتھ رہے تھے ہم کو جوتے بھری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے، اور ہم ان کو تک رہے تھے،

روسے گل سیر نہ دیدیم و بہار آخر شد

بیچارہ گویا بلبل قفس کی طرح ابھی تک افغانستان سے باہر نہیں گیا ہے، اور باہر کی دنیا کو صرف کتابوں کی آنکھوں سے دیکھا ہے، وہ اس سرحد کے پاس پہنچ کر پھر دک پھر دک کر رہ گیا، زبان حال یہ کہہ رہی تھی،

اگر یک سر موئے بر تر پر م

فرغ تجلی بسوز د پر م

سب سے زیادہ مؤثر منظر اپنے ساتھ کے افغانی دستہ کے سپاہیوں سے رخصت ہونے کا تھا، یہ موٹر کے سامنے ایستادہ تھے، چلتے وقت انھوں نے فوجی قاعدہ سے رخصت نامہ سلام کیا، مگر میں بیچارہ کہ نہ "کشوری" (سولین) تھا نہ "شکری" (مٹری) فوجی قواعد سے بے پروا ہو کر ایک ایک سپاہی سے ہنگامہ ہو کر اور مصافحہ کر کے رخصت ہوا اور زبان سے صرف اس قدر کہ افغانستان کا قلعہ تم ہوں،

افغانستان کا چمکتا بلبل گویا، اس وقت خاموش تھا، اور مصافحہ و معانقہ کے بعد باہم مکاتبت و مراسلت کے وعدہ پر ہماری یہ چند روزہ ملاقات ختم ہو گئی، موٹروں نے آگے کو حرکت کی، اور چند منٹ کے اندر افغانستان کی سرحد پہنچا کر انگریزی علاقہ میں داخل ہو گئے،

چین | ہندوستان کی پہلی سرحدی آبادی کا نام چین ہے، دیکھنے میں تو یہاں ریگ اور خشک پہاڑوں کے سوا کچھ اور نہیں، مگر یہاں کی معنوی خشکی کو لفظی تری سے دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے، کسی زمانہ میں چین بھی مملکت افغانستان کی ایک کیاری تھی، مگر باغبان و صیاد کی باہمی کشمکش میں یہ ہاتھ سے جاتا رہا،

افغانی علاقہ جو بنی ختم ہوا، وہ سیاہ تختہ کھڑا نظر آیا، جس پر ہندوستان کی سرحد کا اعلان اور پروانہ لگا رکھا کے بغیر اس سے آگے بڑھنے کی ممانعت لکھی تھی، سرحد کو عبور کیا تو چین کا سوا دسامنے آگیا، انگریزی کارخانوں کے ستون اور چنیاں اور بلند مکانوں کی چھتیں دکھائی دینے لگیں، یہ اصل میں تانتر فوجی چھاؤنی ہے، ہر طرف فوجی آبادی کے نشان نظر آتے تھے، کمین بار کمین تھیں، کمین گھوڑ دوڑ کا میدان، کمین کھیل اور ورزش کی فیلڈ،

آبادی آئی تو شاید افغانی مامور تجارت کے ذریعہ جس کو ہمارے آنے کی اطلاع تھی، یا صبح کو سید رائے سو صاحب کی زبانی لوگوں کو ہمارے اس وقت آنے کی خبر گئی تھی، چنانچہ شہر کے دروازہ ہی پر مسلمانوں نے استقبال کیا، اور ایک ریستوران میں لا کر بٹھایا، اور اس بات کی تنہید کی کہ ہم آج اپنا سفر ملتوی کر کے رات کو یہاں کے مسلمانوں کے سامنے کچھ تقریریں کریں، مگر ایک تو اس دور دراز سفر کے تھکان سے چور تھے، دوسرے ہندوستان کی سرحد پہنچ کر وطن کی "آتش شوق تیز تر" ہو چکی تھی، اس لئے معذرت کی، مگر ان کا اصرار برابر قائم رہا، اور اس کے لئے مختلف تدبیریں کرتے رہے،

یہاں پہنچ کر ہلکا کام یہ کرنا پڑتا ہے کہ یہاں کے پولیس افسر کے دستخط پاسپورٹ پر کرائے جاتے ہیں، اس کے بغیر آگے بڑھنا ممکن نہیں، پاسپورٹ دستخط کے لئے بھیجے گئے، لیکن اس کی واپسی میں دیر پڑ رہی ہوئی گئی، اور ہماری آنکھیں بڑھتی گئی، اور یہ شبہ ہوا کہ شاید ہمارے روکنے والے دوستوں کی یہ تدبیر نہ ہوتا کہ آج کا جانا کسی طرح ملتوی ہو جائے، اس لئے ہم نے مناسب سمجھا کہ ہم خود افسر صاحب کے دو تھانہ پر پہنچ جائیں، الغرض ہم جیسے ان کے دروازے تک پہنچے وہ باہر نکل آئے، اور دستخط کر کے پاسپورٹ واپس کئے،

ریستوران (چائے خانہ) میں مختلف خیال کے مسلمان جمع ہو گئے تھے، جو سیاسیات کی مختلف راہوں سے



کر پیے خود بخود پھلے جا رہے ہیں،

چمن سے ریل شروع ہو جاتی ہے، مگر ہم لوگوں نے ایک دن بچانے کی خاطر چمن سے کوئٹہ تک ریل پر سفر کرنے کے بجائے موٹروں پر سفر کیا، چمن سے ریل صرف ایک وقت صبح کو چلتی ہے، اگر اس پر سفر کرتے تو ضرور ہوتا کہ آج رات بھر یہاں ٹھہریں، اور صبح کو روانہ ہوں، اور کوئٹہ سے ڈاک گاڑی ۱۱ بجے دن کو چلتی تھی تو اگر آج شام تک کوئٹہ پہنچ جائیں تو رات بھر وہاں آرام کر کے اور بجے ڈاک سے کل ہی روانہ ہو سکیں گے یہ تجویز قندہار ہی سے طے شدہ تھی، کہ چمن سے کوئٹہ تک سفر انھیں موٹروں پر ہوگا، اور کوئٹہ سے ریل پر سواری ہوگی میرا اندازہ ہے کہ ہم بجے شام کے قریب ہم چمن سے روانہ ہوئے، چمن اور کوئٹہ کے درمیان غالباً ساڑھے ستر میل کی مسافت ہے، ریل اس مسافت کو پانچ گھنٹوں میں طے کرتی ہے، صبح ۸ بجے چل کر ایک بجے دن کو وہاں پہنچتی ہے، موٹر میں بھی چار گھنٹوں سے زیادہ لگے، جس کی وجہ بلندیوں کی چڑھائی اور ایک طویل پر پیچ پہاڑی راستہ کا عبور کرنا تھا، چمن سے تھوڑی دور نکلنے کے بعد ایک پل آیا، اس پر ایک بھاری زنجیر کی روک پڑی ہوئی تھی، جس کے اٹھائے بغیر اس پار سے اس پار جانا ناممکن تھا، متعین پہرہ دار نے چمن کے پولیس افسر کی تصدیق دیکھ کر زنجیر ہٹائی اور موٹر میں آگے بڑھیں،

## خیام

خیام کے سوانح، تصنیفات اور فلسفہ پر تبصرہ، اور فارسی رباعی کی تاریخ اور رباعیات خیام پر مفصل بحث اور آخر میں خیام کے چھ عربی و فارسی رسالوں کا ضخیمہ، اور اس کے قلمی رباعیات کے ایک نسخہ کی نقل شامل ہے، خیام کے مباحث پر بہت ہی مفصل مکمل اور حتی المقدور محققانہ، یہ سب سے پہلی کتاب لکھی گئی ہے، ضخامت ۲۰ صفحہ کتابت و طباعت اعلیٰ قیمت غیر مجلد ہے، مجلد للعمہ

”میسر“

آشنا تھے، مجھ سے اور ڈاکٹر اقبال صاحب سے طرح طرح کے سوالات کرتے رہے، مگر سب کے سب افغانستان کی طرف تھے، ویر خواہی کے جذبات سے معمور تھے، ڈاکٹر صاحب کے اسکول کے زمانہ کے ایک ہندو کلاس فیلو جو یہاں ڈاکٹر تھے، ملنے آئے، اور ڈاکٹر صاحب سے اپنا تعارف کرایا، اثنائے گفتگو میں افغانستان کے متعلق ایک ایسا توفیق ملا کہ انھوں نے کلاچ سے مسلمانوں کو سخت تکلیف ہوئی، یہاں یہ سنکر افسوس ہوا کہ ہندو بھائیوں کو موجودہ حکومت افغانستان سے اس لئے نفرت ہے کہ وہ اس کو ”متعصب“ مسلمان ”جانتے ہیں“ اور امیر امان اللہ خان سے اس لئے ہمدردی ہے کہ وہ ان کو اسلام کا ”باغی“ تصور کرتے تھے، حالانکہ ان کے یہ دونوں خیال غلط ہیں،

یہاں حکومت افغانستان کا ایک مامور تجارت رہتا ہے، افغانی قونصل خانہ، دہلی کے کاتب (کوک) کو جو ہمارے ساتھ تھا، مامور صاحب سے مصارف سفر کے لئے رقم لینی تھی، مامور صاحب کو اطلاع دی گئی تو انھوں نے بھی کافی دیر لگائی، پے درپے قاصدوں کے بھیجنے کے بعد وہ آخر آئے تو اس شان سے آئے کہ آگے لگے وہ خود اور پیچھے پیچھے ان کے نوجوان فیشن ایبل جنٹلمین صاحبزادے، رسم تعارف کے بعد کاتب صاحب سے اور ان سے دیر تک رد و بدل ہوتا رہا،

ان تمام جمیلوں کے بعد ہم چمن سے آگے بڑھے، ٹرک اتنی عمدہ تھی کہ لا محالہ انگریزی حکومت کی تعریف کرنی پڑتی ہے، ہماری اسلامی و مشرقی سلطنتیں اصلاحات کے لئے بیشک بے قرار ہیں، مگر اس زمانہ میں اصلاح کے نئی روپیے کے ہیں جب تک ان کی اقتصادی حالت بہتر نہ ہوگی، وہ اصلاحات کے جاری کرنے پر قدرت نہیں رکھتیں، ہر مسافر کو جو افغانستان کی سڑکوں سے نکل کر ہندوستان کی سڑکوں پر آتا ہوگا، بدانتہا بغیر کسی دلیل و حجت کے مشرقی سلطنتوں کی پستی اور انگریزی حکومت کی برتری کا خیال آجاتا ہوگا، اس لئے ہماری مشرقی سلطنتوں کا فرض ہے کہ وہ ان ظاہری تناقض کی طرف پوری توجہ دیں،

ایک تو ہندوستان کی سڑکیں مقابلہ یوں بھی اچھی ہیں، پھر انگریزی فوجی اغراض نے چمن کے شہر کو نہیں تو چمن کی سڑکوں کو تو بیشک چمن بنا دیا ہے، سڑکیں اتنی صاف ستھری، ہموار اور چکنی کہ معلوم ہوتا تھا



# مغرب کی خوفناک غلطی اور اسکا ازالہ

از جناب چودھری غلام احمد صاحب پرنسپل دہلی

(۳)

جو کچھ سطور بالا میں عرض کیا گیا ہے، وہ صرف نظریے ہی نہیں، کیونکہ وہ نظریے جو عمل میں نہ آسکیں ان کے لئے اسلام میں کوئی جگہ نہیں، مسلمانوں نے ان الفاظ کو عملی جامہ پہنا کر دکھا دیا، اور ثابت کر دیا کہ جو ترقی اللہ کے حدود کو قائم رکھتے ہوئے کی جائے، وہ تسخیر مادہ کے علاوہ تسخیر امن و اطمینان میں بھی اپنی نظیر نہیں رکھتی، لیکن آہ! یہاں پہنچ کر ہمیں ایک ایسے اعتراض سے سابقہ پڑتا ہے جس کے جواب میں سولے آنکھیں جھپکنا پڑیں گی۔ کہیں نہ کہیں نہیں پڑتا، یعنی معترض اگر مثال کے طور پر ہندوستان کے موجودہ مسلمانوں کو پیش کر دے تو اعتراض حقیقت کے سوا اور کیا کیا جاسکتا ہو، فی الحقیقت ہمیں نہایت مذمت و ناسف سے یہ کہنا پڑے گا کہ ہندوستان کے موجودہ مسلمانوں کی سمجھ میں نہ تو دین ہی آیا، اور نہ انھوں نے دنیا کا نام ہی کا ڈھنگ سیکھا، اُولَئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ (الامثالہ اللہ) آزاد خیال طبقہ کی مذہب سے بیگانگی و تنفر کا ایک بڑا سبب بن چکا ہے اور اسباب یہ بھی ہے کہ انھوں نے اسلام کا اندازہ ہم مسلمانوں سے لگایا ہے، حالانکہ آج ہمارے زوال و انحطاط کے لئے اسلام اتنا ہی ذمہ دار ہے جتنی مغرب کی مادی ترقی کے لئے عیسائیت باعث افسوس سکتی ہو کہ جب مسلمانوں کے اعمال اسلام کی صحیح تصویق ظاہر کرتے تھے تو دنیا کی جہالت و عصبیت لوگوں کو اسلام سمجھنے سے باز رکھتی تھی، اور آج جبکہ دنیا اسلام کے قریب آنے کی کوشش کر رہی ہے، مسلمان ایسی تصویر سامنے کرتے ہیں، جو نہایت ہییب اور بھیانک دکھائی دیتی ہو اور اگر رشید الدین خان صاحب نے اسلام قبول کرنے کے بعد کس قدر حقیقت کی ترجمانی کی جب فرمایا کہ قرآن مجید میں

کے پاس لایا، لیکن جب میں مسلمانوں کے اندر پہنچا ہوں تو مجھے چاہتا ہوں کہ پھر واپس چلا جاؤں لیکن قرآن پھر میرا دامن پکڑ رہا ہے،

لہذا ان نظریات کی عملی مثالیں دیکھنے کے لئے ہمیں تاریخ کو تیرہ سو سال پیچھے کو لوٹنا دینا پڑے گا، کیونکہ وہاں پہنچ کر ہمیں انسانوں کا ایک ایسا گروہ نظر آتا ہے جو تکمیل انسانیت اور اخلاق و اعمال الہیہ کا مکمل و اجمل نمونہ تھا اور تاریخ کے جمیع ازمنا و ضمیمہ میں انبیاء کرام کو متشبیہ کر دینے کے بعد انسانوں کا کوئی گروہ اور انسانیت کبریٰ کا اعلیٰ سے اعلیٰ تصور بھی ان کے مقابلہ میں پیش نہیں کیا جاسکتا، اس لئے کہ لَقَدْ كَانَ نَكَمٌ فِي رَسُولِ اللَّهِ اسْوَحَ حَسَنَةً اِنْ كَانَ دستور العمل اور جمیع اعمال و افعال کا نمونہ تھا، ان کے بعد خلفائے اسلام بالخصوص عہد عباسیہ کا وہ درخشندہ منظر تاریخ کے ابواب میں کرن گے جبکہ مادی ترقی بھی اپنے اوج کمال پر تھی، اور ایسے اللہ کے بندے بھی موجود تھے جو حدود و ائد کے قیام و بقا میں احکام خداوندی کو خضر راہ بناتے تھے، بلکہ اس کی کچھ مثالیں ہمیں بعد کے شاہان اسلام کے ادوار حکومت میں بھی ملین گی، جبکہ اگرچہ تہذیب اسلامی کے قصور رفیع المنزلت پیوست برین ہو چکے تھے، لیکن پھر بھی آثار قدیمہ کے نشانات کی طرح اپنے پیش رو رنگارنگ کے نقوش قدم کا پتہ دیتے جا رہے تھے، اور چونکہ اسلام مادی کو کفر کے مراد و قرار دیتا ہے آج بھی اگر تحسب و استقصا سے کام لیا جائے تو نیک حقیقت میں ہماری رسم اذان کے اندر روح بلالی، ضرور محسوس کر لیگی، و تِلْكَ اَلَا يَٰ هٰمُ زِدُوا لَهَا بَيْنَ النَّاسِ،

ہجرت نبوی سے عہد فاروقی تک کا عرصہ قوموں کی تاریخ میں ایک خشک سے زیادہ حشیت نہیں رکھتا، لیکن اسی لمحہ بصر میں چشم فلک نے ایک ایسا غیر العقول انقلاب دیکھا کہ اس سے پیشتر دنیا کے کسی حصہ میں ایسا تغیر واقع نہ ہوا تھا، چند سال کے عرصہ میں ایک اونٹ پرانے والی باد پشین قوم قیصر و کسری کے تمدن کی مالک بنا دی گئی، اس وقت کی مذہب دنیا کا نقشہ سامنے لٹکا لیجئے اور پھر دیکھئے کہ اسلامی افواج کے قدم کہاں سے چلے اور کہاں کہاں تک پہنچے تھے، لیکن کیا یہ فتوحات ملک گیری کی ہوس رانی کے لئے تعین اتاریج اس کا جواب نفی میں دیتی ہے، ان فتوحات کا اصل مقصد بقول مسر سرجینی ناڈو "حریت و آزادی کی اشاعت عمومی اور غلامی کا استیصال تھا..... اس کا مقصد



ساری دنیا کی نجات تھا، اور سلم داعی ہی مقصد لیکر ملکوں ملکوں مارے مارے پھرتے تھے، عربوں نے صرف ملک کی نجات ہی فتح نہیں کیں بلکہ دل و دماغ فتح کئے ہیں، انھوں نے قوموں کے خیالات اور لٹریچر کو متاثر کیا ہے، اور یہ پیشہ نبی انسان کی تعلیم و تربیت کی فکر میں رہے ہیں، تو کیا اس سلطنت عظمیٰ کا حاکم و فرمان روا ایک مطلق العنان شاہنشاہ کی طرح اپنی خواہشوں اور ارادوں کے مطابق حکومت کر رہا تھا، یا اس کے ارادے کسی اور کی مشیت کے تابع تھے، اس کا جواب بھی جناب فاروق اعظم کے اسوہ مبارکہ سے لیجئے، یہ دنیا کا بہترین مقتن، شجاع ترین کمانڈر اور بہترین کارفرما جس کے اشاروں پر دنیا کی قوموں کی قسمتوں کے فیصلے منحصر تھے، جب ایک عقیقہ نے بھرے مجمع میں اسے ٹوک دیا، کہ اے عمر تمھاری یہ رے قرآن کے منشاء کے مطابق نہیں تو اس خلیفہ المسلمین اور دنیا کی اصطلاح میں شاہنشاہ اعظم نے سر نیاز بھجکا دیا، اور خوش ہو کر فرمایا کہ شکر ہے اللہ کا کہ مدینہ کی عورتیں بھی قرآن نہی کا اتنا ملکہ رکھتی ہیں، یہ کیوں تھا، اس لئے کہ وہ باوصف این ہمہ غلبہ و استیلا، اپنے آپ کو مقبوضہ ممالک و رعایا کا مالک نہیں سمجھتے تھے، بلکہ اس کا مالک وہ مالک الملک تھا اور یہ اس کے نائب کی حیثیت سے خدمت گزار تھے، چنانچہ جب مالک کا حکم سامنے کر دیا گیا تو اپنے ارادوں اور ارادہ کی اس کے سامنے کوئی حیثیت نہ رہی، اس حکم کے سامنے رعایا اور حاکم آقا اور غلام مالک و مملوک ہر ایک کی یکساں حیثیت تھی، بادشاہ اور رعایا کے لئے دو جداگانہ قانون نہ تھے، بلکہ دونوں ایک ہی قانون کے ماتحت اپنے اپنے فرائض سرانجام دیتے تھے، چنانچہ جب امانت خلافت ان کے سپرد کی جاتی وہ سب کے سامنے اس امر کا اعلان کرتے کہ میں اس وقت تک متبوع ہو سکتا ہوں جب تک میرے احکام فرمان خداوندی کے ماتحت ہوں، اور اگر میرا ایک اشارہ بھی اس حکم اسکا کہیں کے حکم کے خلاف ہو تو نہ صرف یہ کہ میری اطاعت نہ کروں بلکہ مجھے فوراً علیحدہ کر دو، چنانچہ بعض اوقات خلیفہ المسلمین کو مدعا علیہ کی حیثیت سے عدالت میں پیش ہونا پڑتا، اور واقعات و شہادت کے مطابق اس کے خلاف بھی حکم صادر ہو جاتا،

یہ عہد تو پھر بھی عہد سعادت و ہمدان کا تھا، اس کے بعد جب خلافت ریاست میں تبدیل ہو گئی ہر چند بادشاہ ایک خود مختار فرمان روا ہوتا تھا، لیکن امور سلطنت بہ تمام و کمال شریعت کے فیصلوں کے ماتحت سرانجام

پاتے تھے، اور اراکین و بارمین فقہاء (TURISTS) کی کرسیاں سب سے بلند و برتر مقام پر ہوتی تھیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ شریعت اسلامی ضوابط و قوانین کی شکل میں انھیں ادوار میں مرتب و مدون ہوئی، عراق و عجم کے بعد جب اسلامی حکومتیں ترکستان و ہندوستان تک پہنچیں تو اگرچہ اسلامی تہذیب کے اصلی خط و خال بڑی حد تک عجمی تقابون میں چھپ چکے تھے، پھر بھی حسن اصلی کا پر تو کبھی کبھی جلوہ فگن ہوئے بغیر نہیں رہتا تھا، اور پامال شدہ نقوش بھی اجڑے ہوئے بہشت کا نقشہ پیش کر دیتے تھے، محمود غزنوی کا نام کس نے نہیں سنا، اگرچہ مکائد تاریخ کی ستم ظریفیوں نے اس کا نقشہ کچھ ایسا غونی سا پیش کیا ہے کہ اس کے نام کے ساتھ ہی چنگیز خان و ہلاکو خان کی یاد تازہ ہو جاتی ہو، لیکن یہ واقعہ بھی ہمیں گہن کی روایت سے اسی کی سیرت میں مل رہا ہے، کہ ایک عام سپاہی نے اس سے جا کر فریاد کیا کہ اس کے عہد سلطنت میں سے کوئی متاثر ہستی رات کو اس کے گھر جا کر اسکی بیوی کی عصمت پر دست تظاول دراز کرتی ہے، تو محمود نے حکم دیا کہ جب وہ ظالم و فاجر اس کے گھر میں موجود ہو اس وقت اطلاع دیجائے، تیسری شب کو وہ مظلوم بادشاہ کے پاس آیا اور کہا کہ اس وقت وہ شخص اس کے گھر میں موجود ہے، بادشاہ اس کے گھر چل کھڑا ہوا اور معلوم کیا کہ وہ شخص اس سپاہی کی بیوی کے بستر پر بخواب ہو، محمود نے کہا کہ چراغ بجھا دیا جائے، اندھیرے میں جا کر تلوار کے ایک ہاتھ سے اس کا سر قلم کر کے رکھ دیا، پھر حکم دیا کہ روشنی کیجائے، جب شمع جلانی گئی تو مقتول کی لاش کو دیکھ کر سر بسجود ہو گیا، اور اس سپاہی سے پانی منگا کر پیا، جب بادشاہ جانے لگا، تو اس سپاہی نے عرض کیا کہ جہان پناہ! اگر جرات عرض معاف ہو تو اتنا فرما دیا جائے کہ روشنی بجھانے، سجدہ کرنے اور پانی پیسنے میں کیا راز تھا، محمود نے جواب دیا کہ میں نے سمجھ لیا تھا کہ میری سلطنت میں عین دار اختلاف میں ایسی نازیبا حرکت کی جرأت میرے لڑکے کے سوا اور کسے ہو سکتی ہے، چراغ بجھا دیا کہ مبادا اس کی شکل دکھ کر محبت پدیری عود کر آئے، اور انصاف نہ ہو سکے، بعد قتل جب روشنی منگائی تو دیکھا کہ وہ میرا لڑکا نہیں، بلکہ ایک اور سردار سلطنت تھا، خدا کا شکر کیا کہ محمود کا بیٹا اس قدر ناعلم نہ تھا، پانی پیا کہ میں نے اس دن سے عہد کر رکھا تھا کہ جب تک اس مظلوم کی داد رسی نہ کروں گا، کچھ کھاؤں پیوگا نہیں آج تیسری رات کو روزہ توڑا ہے، یہ کیا تھا؟ یعنی وہی، کسی بلند و بالا ہستی کی فرمانبرداری کا جذبہ!



جہانگیر اور نور جہان کی داستان عشق و محبت سے کون ناواقف ہے لیکن اسی نور جہان نے جب ایک بار کو بندوق کا نشانہ بنادیا تو پانچویں لاکھ جرمنوں کے کھڑے مین لا کر کھڑی کر دی گئی، قاضی عدالت نے بعد سے موت مقدسہ حسب علم قرآنی، موت کا فتویٰ لکھ کر بادشاہ کے دستخطوں کے لئے پیش کر دیا، سینے میں دل اور دل میں خون کی حرارت رکھنے والے ذرا جہانگیر کی جگہ اپنے آپ کو رکھ کر دیکھیں، لیکن جہانگیر نے بغیر نظر اٹھائے فتویٰ موت پر بلا تامل دستخط کر دیئے، اس لئے کہ یہ اس کے خدا کا حکم تھا، اور نور جہان کی محبت اس کے اپنے دل کی خواہش بقول کے ورثہ نے زر قصاص لیکر نور جہان کو معاف کر دیا، لیکن جہانگیر نے ذاتی محبت کو انصاف پر غالب نہ کر دیا، (تذکرہ والد یا غستانی)

یہ اُس جہانگیر کا ذکر ہے، جس کے نام کے ساتھ ہی آنکھوں میں خمار آجاتا ہے، کیونکہ تباہی والوں نے جہانگیر ایسا ہی بتایا ہے،

شاہنشاہ مراد کو ایک عمار کی تعمیر پسند نہ آئی، جوش غضب میں عمار کے ہاتھ کٹوائے، عمار قاضی کے پاس جا کر داد خواہ ہوا، قاضی نے وارنٹ جاری کر دیا، اور شاہنشاہ مجرم کی حیثیت سے حاضر عدالت ہو گیا، قاضی نے اندوسے حکم قرآنی فیصلہ صادر کر دیا کہ

عبد مسلم کمتر از احسار نیست خون شہ رنگین تر از معمار نیست

شاہنشاہ مراد نے آنکھیں جھکا دیں، فرط مذمت سے پیشانی پر پسینہ آگیا، آستین سے ہاتھ نکالا، اور جلا کے سامنے کر دیا، مدعی کو تاب خاموشی کہاں تھی اس نے فوراً عدل و احسان کے حکم قرآنی کے ماتحت عفو و تقصیر کا کام لیا، اور بادشاہ کو معاف کر دیا، یہ اس لئے کہ

پیش قرآن بند و مولا یکے است، بویا و مسند دیبا یکے است، (مؤلف ہذا)

کیا دنیا کی کوئی تہذیب اس کی مثال پیش کر سکتی ہے، جب سلاطین کی یہ حالت تھی، تو عامۃ المسلمین کے اتباع قرآن کا اندازہ خود بخود لگ سکتا ہے، اگر کسی سے رات کی تاریکی میں بھی سہو و خطا سے کوئی لغزش ہو جاتی

تو جب تک کھلے بندوں اس کا اعتراف کر کے تائب نہ ہو جاتا ہیں نہ پڑتا، اور یہ کسی گوشہ نشین زاهد و سادہ کا ذکر نہ ہے بلکہ اسلام میں زاہد اور سپاہی دو مختلف نام نہیں، بلکہ فی الواقعہ سپاہیوں کا ذکر ہے، کہ جن کی زندگی آج مطلق الغانی میں ضرب المثل ہے، فتح بیت المقدس کے وقت جب مسلمانوں کی قوت شہر میں داخل ہوئی تو اہل شہر نے نہایت حسین و جمیل نوجوان لڑکیاں دکانوں پر بٹھا رکھی تھیں، کہ فطرت انسانی کی لغزش کے لئے یہ مقام بڑا نازک ہوتا ہے، مسلمان شہر میں گئے اور نماز پڑھ کر واپس آگئے، شام کے قریب بیت المقدس کے سرداران قوم اور مسلمانوں کے نمایندوں کا ایک عام اجلاس ہوا، حسین صلیحانہ کی شرائط طے ہوئی تھیں، جلسہ میں ایک مسلمان سپاہی نے اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے یہودی سے پوچھا، بھئی تمہارے شہر کے مکانات عام طور پر یک منزلہ ہیں یا دو منزلہ، اس نے تعجب سے کہا کیوں کیا تم آج دوسرے مسلمانوں کے ساتھ شہر میں نہیں گئے، انھوں نے جواب دیا کہ کیا تو تھا، لیکن چونکہ ہمارے خدا کا حکم ہے کہ مسلمانو! جب چلو تو آنکھیں نیچی کر کے چلو، (نور کو ص ۴۷) اس لئے بلا مطلب ہم اوپر نہیں دیکھا کرتے، اس یہودی نے انھیں تو جو جواب دینا تھا دیا، لیکن چپکے سے آگے بڑھ کے اپنے نمایندے سے کہا کہ جو شرائط بھی یہ پیش کر رہے ہیں، عافیت اسی میں ہے کہ چپکے سے مان جاؤ ان کے اصول ایسے نہیں کہ دنیا کی کوئی طاقت ان کا مقابلہ کر سکے،

یہ کیا تھا، وہی اپنے ارادوں کو کسی اعلیٰ ہستی کے قوانین کے ہاتھوں بیچ دینا، یہی وجہ تھی کہ جمہور نفع کر لینے کے بعد اہل قریہ سے جزیہ لیکر اون کی حفاظت کے لئے وہاں چھاؤنی ڈال دی، لیکن جب کسی اور ضرورت کے لئے وہاں سے چھاؤنی اٹھا دینی پڑی تو جزیہ کا باقی ماندہ حصہ انھیں واپس کر دیا، اور جب فوج شہر کو فانی کر رہی تھی تو عیسائی اہل شہر رو تے ہوئے باہر آئے اور کہا کہ ہمیں عیسائی سلطنت کے بجائے اپنی پناہ ہی میں رہنے دیجئے، انہوں نے تو یہ بیگانے اچھے،

موجودہ زمانہ کے سپاہیوں کی ایک چھاؤنی نقشہ آپ اس سے پہلے بھی دیکھ آئے ہیں، ذرا اس اس سپاہیوں کی



کا مقابلہ کیجئے، حالت یہ تھی کہ حضرت عبیدہ کو ایک دن معلوم ہوا کہ جو کھانا ان کے سامنے آتا ہے وہ اس سے کچھ اچھا ہے، جو عام فوج کو ملتا ہے، تو انھوں نے اہل مطبخ کو بڑی زبردستی کی، مدائن کی فتح کے وقت بے ہمت غنیمت میدان جنگ میں پڑی ہوتی تھی، لیکن کوئی سپاہی اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھتا، کیونکہ انھیں اس سے منع کیا گیا تھا، یوں کے گورنروں کو حضرت عمرؓ نے جو ضروری ہدایات دی تھیں، ان میں یہ بھی تھا کہ وہ ترکی گھوڑوں پر سوار نہ ہوں، باریک کپڑے نہ پہنیں، چھنا ہوا آٹا نہ کھائیں، دربان نہ رکھیں، اور اہل حاجت کے لئے ان کا دروازہ ہر وقت کھلا رہے،

ملکی فتوحات کے ساتھ ساتھ علوم و فنون کی نشر و اشاعت میں جو گران بہا خدمات مسلمانوں نے انجام دی ہیں ان کی مثال بھی کہیں اور نہیں مل سکتی، حقیقت یہ ہے کہ اسلام اور تعلیم میں قدرتی لزوم ہے، عہد رسالت میں صرف اظہار ایمان پر ہی قناعت نہ تھی، بلکہ بقدر استطاعت قرآن کریم کی تعلیم بھی حاصل کرنے کی تاکید تھی، یسع و شری، ہرنکاح زرفدیہ امیران جنگ میں ادلے معادنے کی ایک ضرورت یہ بھی تھی کہ قرآن کی تعلیم دینے سے یہ حق ادا ہو جاتا تھا، قرون ادلی کے بعد سلاطین عباسیہ کے عہد میں علم و فضل کی زیور نے وہ معراج کمال حاصل کیا کہ آج یورپ باہر ہمہ وسائل نشر و اشاعت و اسباب رسل و رسائل دہانت تک نہیں پہنچ سکا، کلیمنٹ ہارٹ (CLEMENT HART) اپنی مشہور کتاب ہسٹری آف عرب لکے پچرین لکھا ہے:-

”عربی زبان میں دور حاضرہ کی تمام علمی و فنی اصطلاحات کے لئے مترادف الفاظ موجود ہیں“

اس سے اندازہ لگ سکتا ہے کہ اسلامی حکومت کے عہد میں مادی ترقی کمان تک پہنچی تھی، مورخ لکھتا ہے:-

”علم کی اپنی ارتقاء اور اصلیت کے اعتبار سے اہل عرب کی ایجاد ہے، انھوں نے سب سے پہلے تیرا

ایجاد کیا، نائزک ایڈ، نامیوڈیوڈ کورک ایڈ، پوٹاس، ایونیو، نائزڈیٹ آن سلور وغیرہ کی مادی، د

نکالے، سلفیورک ایڈ، لکھل جیسی چیزیں دریافت کیں“

۱۸۰ روٹن اپنا جلد ۵۰ ڈیوٹیمپٹ انیورسٹی جلد اول ص ۴۰۵

یہائی یونان، جزائر ان سلطروں لکھتا ہے، کو لمبس سے پہلے عرب کی جماعتیں دریائوں کے ذریعہ سفر کرتی تھیں اور عجیب و غریب مقامات اور زمینیں بحر اطلال تک میں تلاش کرتی پھرتی تھیں، (آئینہ عرب ص ۶۱ مصنفہ ڈاکٹر گٹاؤن) ڈاکٹر لیبان فرماتے ہیں:-

”عربوں نے علمی میکنیس کے آلات ایجاد کر کے یورپ کو ان کا استعمال کرنا سکھایا جبکہ امریکن

اور یورپ آج کل استعمال کر رہے ہیں“ (تمدن عرب)

جان کلرک رڈوڈ پاتھ انسانی کلوپیڈیا آف یونیورسٹی ہسٹری جلد ۲ ص ۱۴۵ پر لکھتے ہیں کہ علوم و فنون صرف

عربوں نے پھیلانے،

مستر ہائیڈ لکھتے ہیں کہ ”تمام علوم یونانی کا بڑا حصہ جو اصل ذریعہ سے ہم تک پہنچا ہے وہ پہلے پہل حکم و عہدوں

نے غایت کیا“ (ہسٹری آف یونیورسٹی ہسٹری آف دی ورلڈ جلد ۵ ص ۲۷۷)

یورپ کے استاد پروفیسر نکلسن رنمطراز ہیں کہ

”مسلمانوں نے مختلف شعبہ ہائے علم میں قیمتی اضافے کئے ہیں، لیکن ان کا سب سے بڑا احسان یہ ہے

کہ انھوں نے بڑی فیاضی سے یورپ کو اپنے علوم و فنون سکھائے“ (لٹریچر ہسٹری آف دی عرب جلد ۲ ص ۲۵۹)

ڈاکٹر لیبان اور موسیو بار تھلیس سینٹ ہلیر تحریر فرماتے ہیں کہ

”عربوں کی معاشرت اور تقلید نے یورپ کے امر کی عادتوں کو درست کیا، اور انھیں بہترین انسانی

عادات و اخلاق سکھائے“ (تمدن عرب ص ۵۲۴)

مستر باسورٹھ سمٹھ کس قدر شاندار الفاظ میں اعتراف حقیقت کرتے ہیں کہ

”اگر پوچھا جائے کہ افریقہ بلکہ کل دنیا کو مسیحی مذہب نے زیادہ فائدہ پہنچایا یا اسلام نے، تو جواب

میں کہنا پڑے گا کہ اسلام نے اگر اسلام نہ ہوتا تو مشرق و مغرب دونوں اندھیرے میں رہتے!“

۱۸۱ مین جبکہ یورپ ابھی بالکل اندھیرے میں تھکتا پھرتا تھا، عقلیہ (سلی) میں عربی حکومت تھی،



وہاں کا طبی کالج یورپ کا مرجع و مآب بنا ہوا تھا، تعلیمی مرگاہوں میں تمام یورپ کے طلباء آتے تھے، اور تعلیم مفت تھی، بعد ازاں نظامیہ یونیورسٹی کی نظیر دنیا کی علمی تاریخ میں نہیں ملتی، اندلس کے تعلیمی مرکز یورپ کے گوہر درخشندہ تھے یہ کیوں، اس لئے کہ ان کے قرآن نے یہ فرما دیا تھا کہ،

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (۱۳۰:۳۹)

پوچھئے ان سے کہ کیا وہ جو علم رکھتے ہیں اور وہ جو بے علم ہیں کبھی برابر ہو سکتے ہیں،

لیکن ان کے عالم، یورپ کے آجکل کے علماء کی طرح نہ تھے، کہ جن کا قول ہے کہ ہمیں نہ دیکھو، ہماری کتابوں کو دیکھو، بلکہ یہی علمائے ملت تھے، جو مسلمانوں کی شریعت کے امام بنے، اسلامی علماء و متکلمین میں سوز و گداز سب سے پیش پیش ہیں، ان کی اخلاقی حالت کا اس سے اندازہ ہو سکے گا، کہ وہ گناہ کبیرہ کے مرتکب کبھی کافر سمجھے ہیں، لامارک اور ڈارون کے نظریہ ارتقاء کا خیال سب سے پہلے فارابی اور ابن مسکویہ کو ہوا، لیکن یورپ کا ارتقاء صرف مخلوقات کے جسم ہی تک محدود ہے، لیکن اسلام کا قانون ارتقاء مبتلا ہے کہ ارتقاء جسمانی انسانیت کے درجہ کے بعد ختم ہو جاتا ہے، لیکن اس کے بعد ایک اور ارتقاء روحانی کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے، اور جسم حیوانی کے لئے انسان کا ہیكل اختیار کرنے کے بعد بھی انسان بننے کے لئے بہت کچھ بننا اور ترقی کرنا باقی رہتا ہے، یورپ کا سب سے بڑا طغرائے امتیاز آج آزادی نسوان کہا جاتا ہے، لیکن نظر تعمق سے دیکھئے والوں پر یہ حقیقت آشکارا ہو جائیگی کہ عورت کی حیثیت ان کے نزدیک جذبات پرستی کے کھلونے سے زیادہ نہیں، اسلام نے جو حیثیت عورت کو عطا کی ہے اس سے زیادہ وقار اور عزت اسے کہیں اور حاصل نہیں، ایک خاتون بجا طور پر ہونے کے چار حیثیتوں کی مالک ہے، (۱) بیٹی، (۲) زوجہ، (۳) ماں اور (۴) سوسائٹی کی بنیاد مسلمان لڑکی اپنے والد کی شہادت یا اپنے عزیزوں کے رحم و کرم پر نہیں ہوتی، بلکہ اسلام نے بین الفاظین والدین کی جائداد میں سے اس کے لئے حصہ مقرر کر دیا ہے، لڑکی کو یہ مفاد کہیں اور حاصل نہیں، حتیٰ کہ آزادی نسوان کے اجارہ دار یورپ میں بھی نہیں لڑکی جب تک سن رشد کو نہ پہنچے اپنی ماں کے آغوش میں تربیت حاصل کرتی ہے، سن بلوغ سے قبل اگر چہ ولی

اس کا نکاح کر سکتا ہے، لیکن سن بلوغ پر پہنچنے کے بعد لڑکی کے اختیار میں ہے، کہ اس نکاح کو منسوخ کر دے۔

(۲) بالغ ہونے پر نکاح کے مسئلہ میں اسلامی عورت بالکل آزاد ہے، وہ رشتہ ازدواج میں منسلک ہو کر بھی اپنی ذاتی وجاہت اور حیثیت نہیں کھودیتی بلکہ وہ ان تمام حقوق سے مستیع ہونے کی مجاز ہے جو قانون اسلام نے اس کی پیدائش ہی سے اس کے لئے مقرر کر دیئے ہیں، اور اپنے مال و متاع کی وہ خود مالک ہے، خاوند کے مرجع پر وہ اس کی جائداد کی حصہ دار اور اس کی اولاد کی تربیت کی ذمہ دار، ازدواجی حالت میں بھی وہ محض مرد کے تعیش کا آرائش بلکہ گھر کی مالکہ اور اس کو دست راست ہونے کی حیثیت رکھتی ہے، کیونکہ خاوند اور بیوی کے اوپر ایک ہی قانون نافذ ہے جس نے کہہ دیا کہ هُنَّ لِيَاْسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاْسٌ لَّهِنَّ وہ تمہاری عزت و ناموس کی پردہ دار اور تم اس کے حقوق و فرائض کے کفیل، یورپ آج بھی اس نقشہ کا خواب نہیں دیکھ سکتا، وہاں عورت، نکاح ہو جانے کے بعد اپنا نام تک بھی باقی نہیں رہ سکتی، وہ خاوند کی ہستی میں مدغم ہو کر رہ جاتی ہے، مسلم خاتون مرد طلاق حاصل کرنے کی اسی طرح سے مجاز ہے جس طرح مرد اس "الفیض الحلال" (حدیث) اجازت سے حدود و شرائط کی پابندی کے ساتھ مستفید ہو سکتا ہے،

(۳) ماں ہونے کی حیثیت سے ایک مسلمان خاتون کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے، حضور نے فرمایا کہ جن ماں کے قدموں کے نیچے ہے، قرآن نے بیٹے پر فرض عائد کر دیا کہ وہ ماں باپ سے الفت و محبت اور احسان و اکرام سے پیش آئے، سب سے بڑھ کر یہ کہ متوفی بیٹے کی جائداد میں ماں کے لئے حصہ مقرر ہے، اور یہ خصوصیت دنیا کو ان میں سے صرف اسلامی قانون ہی کو حاصل ہے،

(۴) اجتماع و معاشرت کے لحاظ سے بھی مسلم خاتون کو ایک امتیازی فوقیت حاصل ہے، یہ تفصیل کا موقع نہیں، اور نہ تاریخ اس کی شاہد ہے، کہ مسلم خواتین کی کس قدر عزت و توقیر مسلمان مردوں کی نگاہ میں رہتی تھی اور سب چھوڑ دیئے، عورت کے لئے جو حرم کا لفظ اسلامی تہذیب میں مروج ہے، وہی اس جذبہ تقدیر و کرم پر شاہد ہے، جو فطرت کے اس مقدس و نازک ترین آئینے کے لئے ہر مسلم کے دل میں موجود ہونا چاہئے،



نیز اسلام نے ہر چیز کے لئے حدود مقرر کر رکھی ہیں، وہ عورت کو عورت ہی دیکھنا چاہتا ہے، اور مرد کو مرد وہ یورپ کے اس غلط نظریے سے بڑبڑھون ابناءہم ویستخون نساء ذلکہ کو فرعونیت قرار دیتا ہے اور اسے فطرت کے خلاف جنگ کے مترادف سمجھتا ہے، اس نے دو پرہیزگاری کی نمائش زینت کو جو بعینہ آج دور تہذیب کی نمائش زینت ہے (حرام قرار دیا، کیونکہ وہ خوب سمجھتا تھا کہ اس سے مرد کے حیوانی جذبات میں اشتعال پیدا ہو جائیگا، اور ایک طرف جہاں وہ جائز دنیا جائز کی تیز بھول جائیگا، دوسری طرف عورت کی تخلیق کا مقصد اس کے نزدیک جذبات پرستی کے سوا اور کچھ نہ رہ جائیگا، یہی نمائش حسن و لوازم حسن کا وہ جذبہ ہے کہ جس کی خواہشوں کو آج مغرب کے ماہر نفسیات بھی محسوس کر رہے ہیں چنانچہ ایک مشہور انگریز عالم نفسیات نے لکھا ہے :-

”شہوت نفسانی کو براہین غمگینہ کرنے والے سب سے زیادہ ہمارے لباس میں ابرار بڑے اور ڈاکٹر ٹیڈالکس کہتے ہیں کہ اگر لباس کی اہمیت اور تراش خراش دینا سے اٹھ جائے، اور عورتیں ساڈ لباس پہننے لگیں، تو اشتعال و خواہ کا وجود بھی دینا سے ناپید ہو جائے۔“

روشن خیال حضرات کو جب قرآن حکیم کی یہ آیات سنائی جائیں،

وَقُلْ لِّوَلَدَتِ لِيُفَضِّلَنَّ مِنَ الْبَصَارِ هِنَّ  
وَيَحْفِظَنَّ فِرْوَجَهُنَّ وَلَا يَبْدِينَ  
زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ  
عَلَى جُجُوهُنَّ وَلَا يَبْدِينَ مِنْ زِينَتِهِنَّ  
..... وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ  
مَا يُخْفِينَ مِنْ زِينَتِهِنَّ (نور ع ۵)

مسلمان عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھ کر  
اور اپنی عصمت کی حفاظت کیا کریں، وہ اپنی زینت کے بولنے  
کو ظاہر نہ کریں، مگر وہ حصہ جو ضرورتاً کھلا رہتا ہے، اور اپنے ڈپٹے  
پائے سینوں پر ڈالے رکھا کریں، اور اپنی زینت کے مذکورہ مواقع  
کو کسی پر ظاہر نہ ہونے دیں، ..... اور اپنے پاؤں  
زور سے نہ ماریں کہ ان کا مخفی زیور معلوم ہو جائے،

تو وہ اسے تنگ خیالی، کوتاہ نظری، قدامت پسندی، دور جہالت و استبداد کی یاد اور (خاکم بدہن) پتہ نہیں کن کن ناموں سے موسوم کرتے ہیں، لیکن وہ ذرا دیکھیں تو سہی کہ ان کے جدت پسند آزاد خیال اور تہذیب و تمدن

کے علمائے تحقیق اس بارہ میں کیا کہہ رہے ہیں لیکن شکل تو یہ ہو کہ

ہم جو چپ بیٹھیں سٹری کملائیں یا چپ بیٹھے تغافل ٹھہرے

اور حق تو یوں ہے،

تم جسے چاہو چڑھا لو سر پر، ورنہ یوں دوش پہ کا کل ٹھہرے

انسانی طبائع پر سوسائٹی اور مذہب کے احکام کا کیا اثر پڑتا ہے اس کا صاف صاف اندازہ اس سے لگ جائیگا کہ امریکہ آج پندرہ بیس برس سے ترک خمر پر لوگوں کو مجبور کر رہا ہے، قوانین بنائے گئے، سزائیں دی گئیں، جس جہاز پر ذرا سا بھی شہہ ہوا کہ کوئی خمر لے لے آ رہا ہے، اپنی بندرگاہ کے قریب نہیں آنے دیا، بائیمہ شراب نہیں چھوڑتی، اور یہ جھوٹا سکی چنانچہ روٹیرین کلب کلکتہ کے جلسہ میں ڈاکٹر ایچ، امی، واٹسن نے کھلے بندوں اس کا اعتراف کر لیا کہ

”قانون امتناع بالکل بے کار ثابت ہوا ہے، اور کوئی حکومت اب تک قانون کے زور سے

ترک شراب نوشی پر کسی کو مجبور نہیں کر سکی۔“ (سٹیشن کیم جون ۳۳)

لیکن ڈاکٹر موصوف کی نگاہ صرف انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین ہی تک پہنچ سکی ہے، اگر وہ اپنی نگاہ تحقیق کو ذرا اور دھت دیتے، اور آج سے ساڑھے تیرہ سو سال پیشتر تاجدار مدینہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ایک حکم کو بھی دیکھ لیتے، تو انہیں نظر آ جاتا کہ رات کو تحريم شراب کا حکم نازل ہوا، اور صبح کو مدینے کی گلیوں میں شتران کی ندیاں بہ رہی تھیں، اور وہ کافر جو ایک دفعہ منہ سے لگ کر چٹپٹا نہیں کرتی، اس طرح سے نابود ہو گئی کہ پھر کسی انکی شکل بھی نہ دیکھی، وہ لوگ جو آج تک اسے صحت کے لئے مفید سمجھ رہے تھے، انہوں نے بھی اعتراف کر لیا کہ،

”اب تو ڈاکٹر بھی طبی اغراض کے لئے الکحل کا استعمال بہت ہی شاذ و نادر ہی کرتے ہیں، اور گرم ملکوں

میں تو اس کا استعمال ہے ہی مضر“ (سٹیشن کیم جون، تقریر ڈاکٹر یو کین)

اسی شہہ نہیں کہ اسلامی تہذیب کے جن درخشندہ عمود و اوار کا اوپر ذکر ہو چکا ہے، ان میں اس زمین پر فرشتے نہیں بسا کرتے تھے، بلکہ انسان ہی بستے تھے، اور ان میں بھی خطا کار و گنہگار انسان ہو کر تھے،



لیکن فرق یہ تھا کہ وہ گناہ کو گناہ ہی سمجھتے تھے اور اس کے ارتکاب سے متغفل ہوتے تھے، اور آج یورپ کی طرح برائے یون کو اکتسابی جوہر کا سارٹیفکٹ نہیں مل جاتا تھا کہ جو مرتکب کے لئے باعث ہزار عورت و افتخار ہو، یورپ تو گناہ کو گناہ ہی نہیں سمجھ رہا، اور یہ جو آج ان کے چند مفکرین کو ان برائیوں کا احساس ہوا ہے تو محض اس لئے کہ ان سے ان کا اقتصادی نظام متزلزل ہو گیا ہے، اور وہ اگر ان ذمات خبیثہ کی اصلاح کے لئے کبھی پلک اٹھا کر دیکھتے ہیں تو محض اقتصادی مشکلات کو رفع کرنے کی غرض سے نہ کہ اس لئے کہ ان کے اخلاقی و سائیرین ان خباثت کی برائی کبھی یورپ اور شیدائیان تہذیب یورپ کو متنبہ رہنا چاہئے، کہ وہ ان مشکلات سے کبھی نہیں نکل سکے جب تک وہ انسانی قوانین کے بجائے انسانوں کے بجائے انسانوں کے خدا کے قوانین کو مشعل ہدایت نہ بنائیں گے، ان کے سعاد و نجات کی ایک راہ اور صرف ایک راہ ہے، کہ وہ اپنا ایک سیدھا دستور اہل حیات ٹھہرائیں ایک اپنا کی ضرورت کو محسوس کریں، اور ایک منہاں مقصود قرار دیں،

وہ راہ قرآن کی راہ، وہ رہنما نبی اکرمؐ، اور وہ منزل مقصود، اتباعِ مراضات اللہ ہے،

لے یورپ (بلکہ تمام دنیا) کی اقتصادی تباہی کا سب سے بڑا سبب بظہر دیگر اسباب، انکی سود خوری ہے، جنگ عظیم میں مختلف سلطنتوں نے اس قدر قرضہ اٹھایا کہ اس کا سود ادا کرنا بھی مشکل ہوا ہے، انیسویں دور میں ۴۴ ارب روپیہ تیسویں دور میں ۱۰۰ ارب روپیہ اور تیسویں دور میں اس قرضہ کے کچھ اعداد و شمار جمع کئے گئے تھے جس کے رو سے دول متحدہ نے حسب ذیل رقم امریکہ کو قرض دی تھیں،

رقم سود	
۹۴۵۰۰۰۰۰۰ پونڈ	برطانیہ -
۸۲۴۰۰۰۰۰۰	فرانس -
۴۲۵۰۰۰۰۰۰	ایٹلی -

ہو جاتا ہے،

نتیجہ اس کا ظاہر ہے جنگ ختم ہوئے مدت گزری لیکن مختلف ممالک کی اقتصادی حالت اس سے بدتر ہے جب کہ جنگ جاری تھی اللہ تعالیٰ روپیہ قرض لیکر دھول بنانا کر اڑا رہی تھیں، دنیا کو اس عذاب الیم سے بچھڑانے کے لئے یورپین ہر طرح کی تباہی و سوچ رہے ہیں، لیکن سود خوری کی حرص کسی تدبیر کو پیش نہیں دیتی اسلام نے اس ممالک اخلاقی و تمدنی جنگ کا فاتح ایک حکم سے کوڑا کر اہل اللہ کے بیع و حرم الدیو، اللہ تعالیٰ نے سود کو حرام کر دیا اور بیع و تجارت حلال رکھی، دنیا کی نجات اسی نسخہ کے اندر ہے جو حبیبِ نبیؐ نے جو یزید فرادیا ہے، و فیہ شفاء للناس و مرحمتہ،

اُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ، (بقرہ)

وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا، (عنکبوت -)

وَلَيْسَ لِلنَّاسِ اِلٰهٌ مَّا سِوٰى وَاِنَّ سَعِيَهُ سَوْفَ يَرٰى، (نجم - ۳)

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ ذَكَرَهَا - وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّهَا،

یہی لوگ اللہ کے سیدھے راستہ پر ہیں، اور یہی لوگ (انجام کار) کامیاب ہونے والے ہیں،

اور جو لوگ ہماری (راہ کی تلاش میں) کوشش کریں گے ہم انہیں اپنا راستہ دکھائیں گے،

اور انسان کے لئے تو وہی ہے جس کی وہ کوشش کرے اور اپنی کوششوں کو وہ جلدی (بار آور ہوتے) دیکھ لے گا

فلاح وہی صوفی صرف پاکیزگی میں ہے، اور نکبت و بربادی خباثت میں،

## سیرۃ النبیؐ جلد ہفتم

منصب نبوت کی تشریح قبل اسلام عرب کے اخلاقی حالات، صبح سعادت کا طلوع، تبلیغ نبوتی کے اصول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغمبر اکرامؐ اسلام اور اس کے عقائد پر فیصلی اور حکیمانہ مباحث، ضخامت ۱۰۰ صفحے، قیمت باختمان کاغذ مٹے، ۲۰ روپے، تقطیع کلان،

## مہاجرین

حصہ دوم

اسمیں ان صحابہ کرام کے حالات جمع کئے گئے ہیں جو فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے، اور ہجرت کی، ضخامت ۳۶۳ صفحے، مطبوعہ معارف پریس، کھائی چھپائی عمدہ، قیمت ۲۰ روپے، "منیجر"



# دو صدی ہجری کا ایک پائیرانی شاعر

## کمال الدین وحشی

از جناب سید ابوسعید صاحب برقی بھوپانی کی آسازنی

دو صدی ہجری کا زمانہ فارسی شاعری کے لئے بہت پرسکون اور حیات بخش دور تصور کیا جاتا ہے۔ اس دور کو ہندوستان میں خاندان مغلیہ کی دریا دیون سے شاعری کے کلاہ و افتخار میں نت نئے طرے لگائے جاتے تھے۔ اور ادھر ایران میں خاندان آصفیہ کے جو دو سحر سے شعرا کے قلوب میں ایک نئی حرارت پیدا ہو رہی تھی۔ پھر ان دونوں حکومتوں کی چٹنگ کی وجہ سے ایرانی اور ہندوستانی دربار کے شاعر و نثرین باہمی مسابقت کا جوڑ پیدا ہو گیا تھا۔ اس نے فطرۃ فارسی شاعری کی اب و تاب میں اور چار چاند لگا دیئے، لیکن تعجب ہے کہ اس دور کے شاعر و نثرین عری اور نظیری کے دو تین ناموں کے سوا اور قریب قریب تمام دیگر شعرا سے ہم نا آشنا ہوتے جاتے ہیں۔ حالانکہ اس دور میں ہم کو بہت سے ایسے نام جگمگاتے ہوئے نظر آتے ہیں جو کسی طرح اپنی خصوصیات میں عری یا نظیری سے کم نہیں۔

نظیری کی غزلیات اس وقت بہت بلند سمجھی جاتی ہیں، لیکن اگر غزل کی لطافت و عذوبت، سلاست و انصاف اور بندش کی چستی کے اعتبار سے اس دور کے شعرا کے دیوانوں کو پرکھا جائے، اور اگر بقول ملن "شاعری نام ہے سادگی، اہلیت اور جوش کا" تو نزدکا ایک عزت پسند شاعر کمال الدین وحشی، ہماری بڑی توجہ کا مستحق ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اسکا بہت سا کلام یا تو ضائع ہو گیا اور یا اس وقت تک کسی ناقد شناس ہاتھوں میں پڑا ہوا اپنی زندگی کے دن پورے کر رہا ہے۔

تقی الدین اودھی مصنف "تذکرہ عرفات" وحشی کے معاصرین میں سے تھا، اس نے وحشی کے حالات کو کسی قدر

تفصیل سے لکھا ہے،

"در نگارش نہ ہزار بیت جمع کردہ ام"

لیکن دیوان وحشی کے نام سے جو نسخہ ایران میں جب ۱۳۲۷ھ میں حمید الملک مرزا اسماعیل ایرانی کے مختصر سے مقدمہ کے ساتھ شائع ہوا ہے اس میں منگل سے پانچزار اشعار ملتے ہیں، افسوس ہے کہ وحشی کے سوانح حیات تحریر کرنے میں بھی تذکرہ نویسوں نے کافی بے اعتنائی سے کام لیا۔ خان آرزو و مجمع النفائس میں وحشی کے حالات زندگی پر ایک تشنہ سانوٹ دے کر لکھتے ہیں کہ چونکہ دیگر تذکروں میں اسکا حال تفصیل سے لکھا ہے، اس لئے میں یہاں اس کے بعض منتخب اشعار نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہوں، لیکن سمجھ میں نہیں آتا کہ خان آرزو نے کس چیز کو تفصیل سمجھ لیا جبکہ کسی تذکرہ نے نہ تو شاعر کا سند ولادت دیا ہے نہ اس کا نام اور نہ اس کے خاندان کے تفصیلی حالات،

حقیقۃ شعرا کے تذکرے بہت ہیں لیکن وہ درحقیقت بیابان اشعار میں جنین شعرا کے عمدہ اشعار انتخاب کر کے لکھ دیئے ہیں، شعرا کے حالات اور واقعات کم اور نہایت کم ہیں، بہر حال مختلف تذکروں سے اس کی زندگی کے جو کچھ حالات فراہم ہو سکے وہ یہ ہیں:-

کمال الدین نام، دراصل بافتی کار رہنے والا ہے جو یزد کے مضافات میں ایک قصبہ ہے لیکن چونکہ اوائلی سوانح بھائی کے ساتھ جو مرادی تخلص کرتا تھا، یزد میں آکر مولانا شرف الدین علی یزدی کا جو شہر کے مشہور شعراء میں شمار ہوتے تھے، شاگرد ہو گیا تھا اس لئے وہ وحشی بافتی کے بجائے بالعموم وحشی یزدی کے نام سے مشہور ہو گیا، اگرچہ کسی تذکرہ نے اس کا سند پیدائش نہیں دیا ہے لیکن بعض باتوں سے یہ پتہ چلتا ہے کہ موت کے وقت

مجمع النفائس از خان آرزو، در ذکر احوال وحشی، اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں ہے جس سے خاکسار نے استفادہ کیا ہے، دیباچہ شعرا بجم حصہ اول، ۱۳۱۵ھ، ماخوذ از تذکرہ عرفات، آتشکدہ، مجمع النفائس مقدمہ دیوان وحشی مرتبہ حمید مرزا اسماعیل ایرانی (مطبوعہ رجب ۱۳۲۷ھ)







اس کے معاصر اودھوی اصفہانی ہی کا ہو سکتا ہے، وہ کہتا ہے،

”عرقِ مندی نوشید و خلعتِ نشاہ و بقا پوشیدہ تاریخِ فوت او من گفتم ام۔“

چو مر سنا د وحشی بادہ نوشید از خم و حدت روان شد روح پاک اوستی سوے علیین

من از پیرِ سخاں تاریخِ فوت و شاد و طلبِ کردم بگفتا ہست تاریخش ”وفات و وحشی مسکین“

اودھوی کے قول کے بموجب وحشی کو بزرگ کے نواح میں کسی مقام پر دفن کیا گیا تھا، لیکن حاکمِ برکات

”امروز مکانِ آن نامعلوم است، تنہا چیزیکہ از مرقد وحشی باقی ماندہ است سنگ مرمریت کہ غزلے بر

روئے آن جاری شدہ کہ از افکارِ خور وحشی است۔“

کر دیم نامزد توبو بود و نبود خویش گشتیم بیج کارہ بملک و بود خویش

سنگ مزبور را درین سنوات یکے از احکامِ نجیب دارالحکومتہ نقل کردہ و بقبرِ براسے دے بنامزد

وحشی کا کلام | قصائد، غزلیات اور رباعیات وغیرہ کا ایک مجموعہ، مثنوی خلد برین، مثنوی شیرین فرہاد اور مثنوی

وحشی کی شاعری کے متعلق اکثر تذکرہ نویس متفق ہیں کہ بہت بلند ہے، مجمع النفائس میں ہے،

”چند حکایت شیرین خسروئے ادبیارِ شورانگیز است، چنانچہ ہر گاہ خواندہ ام بے اختیار گریہ کر دہم اور

شعر طرزِ خاصے دارد کہ پیروی ادبیارِ مشکل است، گویا شعر او سهل الممتنع است“

نقی الدین اودھوی کہتا ہے :-

”کہندائے تعلیمِ سخنوری، استادِ کارخانہ معنی پروری، شیرِ بیشہ سخن . . .“

ایک اور جگہ لکھتا ہے :-

”مثنوی فرہاد و شیرینش عالمگیر شدہ“

آذر دیرپند ایک بلند پایہ نقاد ہے جس نے وحشی کے معاصرین کی شاعری کے بری طرح پرزے کھینچے

لے تذکرہ وفات و ذکر احوال وحشی سے مقدمہ دیوان وحشی سے مجمع النفائس خان آرزو و ذکر احوال وحشی سے وفات و وفات

وحشی کے متعلق لکھتا ہے :-

”سخانش حلاوتے تمام و ملاحتے مالہ کلام دارد، از مراتبِ عشق و عاشقی آگاہ و غزلیات رنگینش باین معنی گواہ است“

صاحب مقدمہ کی رائے ہے :-

”وے ہمارے طبع شاعرانہ وحشی در ادائے غزل و مثنوی است، قصائدش در مقابلہ قصائد متقدمین جلوتہ نثار“

صاحب تشکدہ نے اس کے اشعار کا انتخاب دینے سے پہلے ”بدگفت“ کا جملہ لکھا ہے،

لیکن اس کی غزلیات کے متعلق علی قلی خان والد ریاض الشعرا میں لکھتے ہیں :-

”وحشی در غزل سرائی پیروی بابا فغانی میکرده، انشا د اینگونه غزل در ادبیات فارسی تازگی نداشته“

تبیب ہے کہ علی قلی خان، وحشی کی غزلیات کو خشک اور پھیکا صرف اس لئے کہتے ہیں کہ اس نے بابا فغانی

کا تتبع کیا ہے، در انحالیکہ تمام اہل فن اور ارباب تذکرہ کا اتفاق ہے کہ متوسطین کی شاعری میں انقلاب پیدا ہو کر

جو نیا دور قائم ہوا جو متاخرین اور نازک خیالوں کا دور کہلاتا ہے اسکا بانی فغانی ہے“

والد داغستانی لکھتے ہیں :-

”بابائے نفقہ و جہتِ مدفن تازہ ایست کہ پیش ازوے احدے بان روش شعر نگفتہ دپایہ سخنوری

را بجائے رسانیدہ کہ عنقائے اندیشہ پر امون انومی تو اند پرید، اکثر استادان زمان مولنا وحشی و

مولنا نظیری نیشاپوری و مولنا ضمیری اصفہانی و خواجہ حسین شنائی و مولنا عرفی شیرازی و حکیم شفقائی

اصفہانی و حکیم میاں کارن کاشی و مولنا محشم و غیر ہم متبع و مقلد و شاگرد و خوشہ چین خرمن طرزِ روش اویند

اگر بابا فغانی کے تتبع نے وحشی کی غزلیات کو پھیکا اور بے رنگ بنا دیا ہے تو پھر عرفی اور نظیری وغیرہ کی

غزل گوئی کا آفتاب بھی مکسوٹ رہنا چاہیے تھا، حالانکہ خود والد داغستانی انکی غزل گوئی کے کافی مدحت سرا ہیں

حقیقت یہ ہے کہ وحشی کی عزت گزینی الگ نام زندگی اور عزت نے اس کی شاعری کو بھی فطرۃ سوسائٹی

لے شعرا العم حصہ سوم



کی نفرون میں پست کر دیا ہے، اس لئے کہ دربار کے ایک صاحب ثروت و جاہ شاعر کے مقابلہ میں ایک درویش  
مفلوک الحال شاعر کے کلام کا گہرا مطالعہ کر کے اس کی خوبیوں پر غور کرنے کا وقت پیش نظر نکالا جاسکتا ہے، چنانچہ یہ ایک  
ذہنیت کا عکس ہے جو ہم کو دلائل اغتائی کے مندرجہ بالا جملوں میں یا صاحب تشکدہ کے تلخ جملہ بدگفتہ میں  
وحشی کے کلام کی خصوصیات اگر وحشی کے کلام کا بغور مطالعہ کیا جائے تو اس میں ہم کو مندرجہ ذیل خصوصیات نمایاں طور پر نظر آتی ہیں۔  
۱۔ کسی ایک خیال کو تسلسل کیساتھ پوری غزل میں ظاہر کرتا ہے، اور اس لئے اسکی بعض غزلیں ہماری غزل  
کی مردمہ تعریف سے خارج ہو کر نظم کی ذیل میں آجاتی ہیں،

چنانچہ ایک غزل میں محبوب کے گزرنے، مسکرانے اور گاہ کیساتھ کھینچنے کو اس طرح بیان کیا ہے۔  
رسید و آن خم ابرو بلند کرد و گذشت  
تواضعی کہ بابر و کند کرد و گذشت  
نواز شمع بجواب سلام اگر چه نداد  
تستیم ز لب نوشخند کرد و گذشت  
بجذبہ نگہم کز پیچم کشان می برد  
چه صید ہا کہ اسیر کند کرد و گذشت  
کرشمہ کہ جنون آورد و نقل آن  
بلائے دانش مدہوشمند کرد و گذشت  
محبوب سفر میں چلا گیا ہے اسکی یاد میں لکھا ہے،

یارب مہ مسافر ما ہمزبان کیست  
باو کہ شد رفیق و کنون ہمنان کیست  
تا چو ما خمیسہ بسر منزل کہ برد  
وز مہربا کہ دم زندو ہسربان کیست  
ماہے کہ چرخ ساخت بدستان جد از من  
تا با کہ دوست گشتہ و ہمدستان کیست  
آن مہ کز و رسید فغانم گوش چرخ  
یارب نہادہ گوش بسرے فغان کیست  
وحشی ہمیں نہ جان تو فرسودہ شد زغم  
ان کو غم فراق نفرسود جان کیست  
محبوب سفر میں جا رہا ہے، اس کو مختلف جملوں سے روکتا ہے۔

وداع جان و تخم استماع رفتن تست  
مرو کہ گربودی خون من بگردن تست

زمانہ دامت از دست مایرون نکند  
خداے را ز روی دست ما و دامن تست  
بکشورے کہ در دوستی نشان نہ بند  
مرو مرو کہ نہ جائے تو جائے دشمن تست  
نشین بال میفشان کہ ہر کجا بروی  
چونیک در نگری در ہوائے گلشن تست  
ایک جگہ وصال محبوب سے مست ہو کر لکھتا ہے۔

المنہ للند کہ شب ہجر برآمد  
خورشید وصال از افق بخت برآمد  
مدنکر کہ زنجیری زندان جدائی  
از جس فراق تو سلامت برآمد  
شد نوبت دیدار و زدم طبل بشارت  
یعنی کہ دعائے سحری کا رگر آمد  
جان بود ز ہجر تو میسائے نہریت  
این بود کہ ناگاہ ز وصلت خبر آمد  
بجو دشده بود از شغف و دل تو وحشی  
زود گزراں گر بدرت دیر تر آمد  
ایک غزل میں محبوب کی عمر رسیدگی اور اس کے باغِ حن کی پیر مردگی کو یوں بیان کرتا ہے،  
انجام حن او شد پائین عشق من ہم  
رفت آن نوائے بلبل بے برگ شد چمن ہم  
کرد آن چنان جمالے در گنج خانہ ضائع  
بر عشق من ستم کرد بر حن خوشیتن ہم  
بستی و غرورش ہنگامہ گرم نگذاشت  
افسردہ کرد صحبت بر ہم زد انجمن ہم  
آن بت کہ بود، افتاد از طاق کعبہ دل  
وز کفر شد پشیمان آن کافر کن ہم  
یہ خیال انگریزی شعرا میں بہت عام ہے، اور حقیقتہً یہ محبت کرنے والے دل کی سچی ٹرپ ہوتی ہے جو محبوب  
کی کج ادائیگیوں کے بعد اس کے زوالِ حن کو دیکھ کر اس طرح ظاہر ہوتی ہے،

دیکھئے ان غزلوں میں جذبات کی کتنی زندہ تصویریں ہیں جو ہم کو شاعر کے احساسات کے ساتھ ساتھ  
اور لائی ہیں حقیقتہً شاعری نام ہے جذبات کے اٹھتے ہوئے سیلاب کا جس کو شاعر بے اختیارانہ الفاظ کا جامہ پہنا  
لے تاریخ ادبیات انگریزی از کاپٹن رکٹ،



اور یہ بات غزل کے دو مختصر مصرعون میں اکثر نامکمل ہوتی ہے،

۲۔ تکلف اور دقت پسندی مطلق نہیں ہے، سیدھے سادے الفاظ، سیدھے سادے مفہوم کے ادا کرنے کے لئے اختیار کرتا ہے، چند مثالیں ملاحظہ ہوں،

این چشم پر بود آہ کہ ناگاہ کشودی  
وین فتنہ دگر چیت کہ از خواب گران خبت

برگر سے نگذاریم و مردہ ایم مگر  
نشان تیر توافل شدن کہ خدمت است

ہزار بندہ چو وحشی خرید و کرد آداد  
کند مضائقہ در یک نگہ کہ قیمت ماست

مریض طفل مزاج بند عاشقان ورنہ  
علاج رنج توافل دور روزہ پرہیز است

سعد او مباد رنجہ شود  
داغ بر دست نازنین دارد

دیکھئے اس شعر میں کس قدر ندرت و تخیل سے کام لیا گیا ہے، محبوب نے کسی کو قتل کیا ہے جس کے خون کا پھینٹنا اس کی کھائی پر پڑا ہوا ہے، عاشق کو یہ فکر ہے کہ کہیں خون کے اس قطرے سے محبوب کی کھائی پر نہ لپکے

گر سجدہ کند پیش تو چندان عجیب نیست  
وحشی کہ جزا بردے تو محراب ندارد

اگر جز کعبہ کوئے تو باشد قبلہ گاہ و من  
الہی نایبہ از سجدہ آں خاک در گروم

ربیم کجاست این تو بگو در کدام ملک  
دل می برند و چشم بیالائمنند

اسی مضمون میں غالب کا یہ شعر بھی ہے، لیکن وحشی کے طرز ادا میں جو لطافت ہے وہ غالب میں کمان

دلبری ہے کہ دستانی ہو  
لیکے دل داستان روانہ ہو

قصے خوردن شہاد کشت آفتاب  
ہم حریفان تومی گویند پیش آفتاب

حق ناموس تو منظور است میدانی تو ہم  
ورنہ صد تقریب خوب از بہر رسوائیم است

۳۔ اگر کسی صنائع معنوی و لفظی کا التزام بھی کرتا ہے تب بھی سلاست کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتا

تمثیل ذیل کے اشعار ملاحظہ ہوں:-

باد کہ شد رفیق و کنوں چمنان کیست = ایہام تناسب، مراعات النظر

تا با کہ دوست گشتہ دہم داستان کیست = مراعات النظر، تجنیس لفظی

یار ب نہادہ گوش بسوقفان کیست = مراعات النظر، رد العجز علی الصدق

ہرگز شش میل آرمیدن نیست = مراعات النظر، ایہام تناسب

بر زبان آرم کہیں سوز و گداز بہریت = مشاکہ

وز کفر شد پشیمان آن کافر کہیں ہم = تضاد، مراعات النظر

۴۔ اس کے اشعار میں عشق و عاشقی کے وہ لطیف تخیلات موجود ہیں جو ایک سچے جذباتی دل ہی میں پیدا ہو سکتے

ہے، محب و محبوب کی نوک جھونک، معشوق کی بے نیازی، عاشق کو مجلس میں دیکھ کر منہ پھیر لینا، اسکو دیکھ کر تنزی سے گزر

جانا وغیرہ وغیرہ محبت کے سینکڑوں نکات کو اس خوبی سے ادا کرتا ہے کہ آنکھوں کے سامنے نقشہ کھینچ جاتا ہے، ذیل

کے اشعار ملاحظہ ہوں،

کرشمہ گرم سوال است لب مکن رنجہ  
کہ احتیاج بہ پرسیدن زبانی نیست

عشق و محبت کا کتنا لطیف نقشہ اس شعر میں پیش کیا گیا ہے، محبوب عاشق سے ناراض ہو کر کچھ جواب طلب کرنا

چاہتا ہے، لیکن اس ناراضگی کے جذبہ کی بنا پر اس کے خشم و ابرو کی حرکت اور اس کے اعضا کی جنبش میں فطری طور پر

جو تفریح پیدا ہو گیا ہے، وہ اتنا کثیف و انگیز اور ہوشیار ہے کہ عاشق اسکی لذت سے مست ہو کر پکار اٹھتا ہے کہ خدا کیلئے

آپ اپنے ہونٹوں کو گفتگو کی زحمت نہ دیجئے، اس لئے کہ آپ کا ہر ہر کرشمہ مجھ سے میرے اعمال کا جواب طلب کر رہا

ہے جس کے بعد زبانی کہنے سننے کی کوئی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔

آخر اسے صاحب متاع حسن این شام چیت  
در سر در یوزہ گرا ز مادعائے نلرودہ است

زین در برد گر غرضت رفتن وحشی است  
حاجت بتوافل زدن و تندہی خو نیست

ذرا اس شعر کے منظر کا تصور کیجئے، اتفاق سے عاشق محبوب کی مجلس میں آ بیٹھا ہے، محبوب چاہتا ہے کہ



وہ چلا جائے تاکہ اغیار سے بے تحف ہو سکے، اس لئے وہ کبھی تو عاشق سے کئی کئی باتیں کرتا ہے کبھی اس کی طرف سے منہ پھیر کر بے توجہ ہو جاتا ہے، عاشق یہ دیکھ کر کہتا ہے "اگر آپ چاہتے ہیں تو وحشی اس بار گاہ سے چلا جاتا ہے اس طرح بے اعتنائی کرنے اور خواہ مخواہ خفا ہونے کی کیا ضرورت ہے؟"

من خود از حیرت تو خاموشم حاجت منع و لب گزیدن نیست

دیکھئے کتنا دل فریب نقشہ ہے، عاشق دفعۂ محبوب کے سامنے آگیا، محبوب یہ دیکھ کر حیران رہ گیا اور اس سے کہہ لیا کہ میں عاشق کی والہانہ داد و فریاد سننے سے وہ دوسروں کی نظروں میں بدنام اور مطعون نہ ہو جائے اس سے اشاروں سے دھیرے دھیرے خاموش رہنے کی استدعا کرتا ہے، یہ ایسا عجیب منظر ہے جس کی لطافت کا اندازہ خود ہی قلوب کر سکتے ہیں جس پر کبھی یہ حالت گزری ہو بہر حال عاشق یہ سن کر محبوب سے کہتا ہے "میں خود آپ کو دیکھ کر سراپا حیرت بنا خاموش کھڑا ہوں، اور اس لئے یہ چپکے چپکے منع کرنے اور ہون پر انگلی رکھنے کی کیا ضرورت ہے؟"

خود رنجم و خود صلح کنم عا دتم این است یک روز تحمل نکنم طاقتم این است

جو قلوب محبت کی چاشنی سے باخبر ہیں وہ جانتے ہیں کہ محبوب کی بے رخیوں پر دل میں کتنی مرتبہ غصہ آتا ہے، لیکن محبوب کو خبر بھی نہیں ہوتی، اور عاشق خود ہی خود اپنے دل میں سوال جواب کر کے یہ غصہ رفع کر لیتا ہے،

آہ این چه غرور است که صد شنه گرافتم وز دیده ہم از دور تماشا نکند بس

عشقِ ما پر تو نثار دیا چراغِ مردہ ایم گرم کن ہنگامہ دیگر کہ ما افسردہ ایم  
اسی مضمون کے قریب قریب جگر مراد آبادی کا ایک شعر ہے،

ہنسی پھر اڑنے لگی عشق کے فسانے کی نقاب اٹھاؤ بدل دو فضا زمانہ کی

شرابِ لطف پر در جامِ میر نری دے ترم کہ زود آخر شود این بادہ دین درخار فتم

وقتِ برق ز رخ کشیدن نیست رخ پوشاں کہ تاب دیدن نیست

اس وقت اپنے چہرہ سے نقاب نہ اٹھائیے خدا را منہ چھپا لیجئے کہ کسی میں نظارہ کی تاب نہیں

بجس کا ش از من غیر می شد آن قدر غافل کہ کیرہ بر مراد خوش روئے یار میدیدم

میکمستم محبت گرم است و شمع مجلسی بزم خود افسردہ خواہی کرد بشیارم کن

غور کیجئے محبوب کی مجلس سے نہ اٹھنے کا کتنا لطیف حیلہ اس شعر میں پیش کیا گیا ہے،

نصرت نیست در بیگانگی امانہ بروقتی نگہ را بانگہ در وقت حاجت آشنا لیکن

گفتم گوازاں لب شیریں حکایتے صد رخ گفت و بسر شیریں کلام من

سارہ لوح می کنم باور، بگو قصہ بگو ہر دروغے کز در آں بے وفا آوردہ

ہی نشتم کہ مگر غار غنم از پانچم داود و شنام کہ تقریب میں لکھنؤ برد

ز خون وحشی اگر منگری نگاہ بمن کن کہ بگذرانم از آں چشم صد گواہ نہانی

دیکھئے مرن "نگاہ بمن کن" کے جملہ نے شعر کو کتنا شور انگیز کر دیا ہے،

وعدہ جلوہ چون دہی قدوہ اہل صومعہ در رو انتظار تو فوت کشتہ نماز را

اسی مضمون میں ربیعہ ابن مقرم کے یہ اشعار بھی پڑھیے اور پھر دیکھئے کہ جذبات کی بے اختیارانہ پکار

کس کے کلام میں زیادہ ہے،

فلو انھا عرضت لاشتمط راہب فی سراس مشکوفۃ الذریٰ یتبتل

لرنا لہمجتھا وحسن حدیثھا وکصم من ناموسہ یتنزل

(یعنی اگر محبوبہ کو کسی ایسے راہب کے سامنے بھی لایا جاتا جسکے بال بڑھاپے کی وجہ سے سفید ہو چکے ہوں،

اور جس نے کسی اونچے پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھ کر اپنی زندگی کو خدا کی عبادت کے لئے وقف کر دینے کا عہد کر لیا،

دیا راہب بھی جب اسکو دیکھ لگا تو) اکی خوبصورتی اور حسن سے بہوت ہو کر اس کو گھورنے لگے گا، بلکہ اسکا

یہ دل پامیگا کہ اپنی عبادت گاہ سے نیچے اتر آئے)

عشق کی صعوبتیں شدید ہونے کے باوجود عاشق کے لئے لذت انگیز ہوتی ہیں، اس خیال کے ماتحت محبوب



کو مخاطب کر کے کہتا ہے :-

عشق خراش سینہ شد طفت چو مرہم می نہسد  
گرا تفتائی میکنی ناسور کن این ریش را  
اسی خیال کو اس نے ایک اور جگہ اس طرح ادا کیا ہے :-

پیش یلی بکیت تا گوید از استیلائے عشق  
باز گشت از کعبہ مجنون رند و رسوا همچنان  
اس شعر کے ساتھ یہ پرانی روایت یاد رکھئے کہ جب مجنون سے اس کے باپ نے کہا کہ خانہ کعبہ کا پردہ  
پکڑ کر دعا مانگ کہ "خدا یا میرے دل سے یلی کا عشق نکال دے" تو اس نے بجائے اسکے یہ کہا کہ "خدا یا تو یلی کا عشق  
میرے سینہ میں او بھر دے"

گر در من نشان مرگ ظاهر شد کہ می بینم  
عزیزان را نہانی آستین بر چشم ترا مشب  
بر خاستم کہ دست دعاے بر آدرم  
دشنام داد و در راہ دگر کرد و را اندوخت  
ہولے بادہ ساتی سادہ، صرن عشرت آمادہ  
کے مست است وحشی کہ تو ہشیاری طبع دارد  
اسی کو سعدی نے اس عریانی سے ادا کیا ہے :-

چو خانہ خالی و معشوق مست ناز بود  
تو اں گر سیت بر آن کس کہ پاکباز بود  
۵۔ انسان کی جذبات کو متاثر کرنا، شعر کا ایک اہم عنصر قرار دیا گیا ہے، وحشی کے اشعار میں یہ عنصر بے حد اہم  
پایا جاتا ہے، ذیل کی مثالوں سے اس کا اندازہ ہوگا،

اے چرخ ہاں گیر کہ از جور تو مر دیم  
ہر دم اسے برا لہم افزودن با چیت  
اس شعر میں غمزہ کی جو مصوری ہے وہ محتاج تشریح نہیں، آسان کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ خدا  
کے لئے تو ایک مرتبہ یہ سمجھئے کہ ہم تیرے ظلم سے ختم ہو چکے، لیکن یہ ہر وقت ایک غم پر دوسرے غم کا اضافہ تو کرنا  
برین خستہ بین و تنہ مراں  
کہ مرا قوت و دیدن نیست  
خدا کیلئے مجھ ضعیف کے حال پر تیرے کھا کر گھوڑے کو تائید نہ دینا، اسلئے کہ مجھ میں اب بھاگنے کی طاقت نہیں رہی

با کہ گویم غمت کہ در مجلس  
زہرہ گفتن و شنیدن نیست  
غناک اللہ مرا کشتی و رفتی  
نکو کردی الہی بد نہ بینی  
ہیکس را بجاں مضائقہ نیست  
اگر آں شوخ قصد این دارد  
نیم جانی ست تحفہ درویش  
چہ کند بنیوا ہیں دارد  
ایک بے سرو سامان درویش کا پیشکش یہی ہو سکتا ہے کہ وہ نیم جان ہو کر آپ کے قدموں پر گر پڑے  
کیا کرے غریب کے پاس اس کے سوا اور کیا رکھا ہے،

ز جہراں مردم و بر سر ندیم  
کے را غیر سنگ تربت خویش  
چہ بودے گر من بیمار چندان زندہ می بودم  
کہ اور ابر سر بالین خود کیا رہیدیم  
ما تو ہم ہر دو ہمد اغیم اسے مرغ چین  
تو ز گل مینال و من از بیو فانیائے او  
آجاں دہم ز شوق چو این فردہ بشنوم  
آہنگ پرشش من بیارہ کردہ  
چیت قصد خون من آن ترک کا فکیش را  
اے مسلمانان نیدانم گناہ خویش را  
سنگ ز فدا این طرف از گوشہ آں بام  
ایں بخت نباشد سر شوریدہ مارا  
دل پر حسرت از کوئے تو برگردیم و رفتم  
نشد با بوس روزی آستان بوسیدم و رفتم  
انپے یک نیم جاں چند تقاضائے ناز  
میدہم اینک بولیک مجالے بہ  
یکرہ سوال کن نگہ بے گناہ خود  
زین چشم پر تنافل اندک نگاہ خود

اس شعر میں "بیگناہ" کے لفظ میں جو زور ہے اس کو دہن میں رکھ کر شعر کو پڑھئے اور پھر دیکھئے کہ حسرت  
و اضطراب کی الم انگیز کہانی کس درجہ دردناکی کے ساتھ آپ کے سامنے پیش کی گئی ہے،  
۶۔ بعض اوقات اشعار کے فلسفہ کو نہایت خوبی سے ادا کرتا ہے، ذیل کی مثالیں ملاحظہ کیجئے :-  
(۱) عشق خود بخود ہو جاتا ہے، عقل و تدبیر کو اس سے کوئی تعلق نہیں،



دست کردن در کربا عشق کا عقل نیست  
فتنہ نتوان برائے خود بزرگ گفتن  
۲۔ دنیا میں ہر شخص کسی نہ کسی غم میں مبتلا ہے،  
وحشی ہیں نہ جان تو فرسودہ شد ز غم آنکو غم فراق نفرسودہ جان کیست  
۳۔ عشق عقل و ہوش سب کچھ ختم کر دیتا ہے،  
خانہ پر بود از متاع صبر این دیوانہ را سوخت عشق خانہ سوز اول متاع خانہ را  
۴۔ زندگی میں عشرت کی ایک مختصر سی ساعت بھی ہر قیمت پرستی ہے،  
با آنکہ روز وصل را دلم کہ شوقم میکشد ندیم بصد عمر ابدیک ساعت آں روز را

## لجشم

(حصہ دوم)

شعرائے متوسطین کا تذکرہ (خواجہ فرید الدین عطار سے حافظ اور ابن سینا تک) مع تنقید کلام  
مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۳۰۲ صفحے، قیمت ۱۰ روپے  
(حصہ سوم)  
شعرائے مستأخرین کا تذکرہ (قفا سے ابوطالب کلیم تک) مع تنقید کلام، مطبوعہ معارف پریس  
ضخامت ۲۳۰ صفحے، قیمت ۱۰ روپے

”فیخبر“

## علم الحیوانات پر ایک نئی توجہ

از جناب محمد سعید صاحب عثمانی، ہوشیار پوری، میسٹری

مذہب اور سائنس دونوں کے نزدیک یہ مسلم ہے کہ کائنات ارغنی کی تمام مختلف الانواع مخلوقات میں صرف  
ایک ہی نوع ذمہ دارانہ حیثیت رکھتی ہے، اور فطرۃً اس پر یہ فرض عائد ہوتا ہے، کہ وہ اپنی زندگی کے ہر قسم کے علمی اور  
عملی مظاہرات کے لئے پورے احساس اور قطعی یقین کے ساتھ اپنے آپ کو جواب دہ قرار دے، خواہ وہ مظاہرات انفرادی  
ہوں یا اجتماعی، یہ نوع، نوع انسانی ہے،

نوع انسان کے متعلق یہ امر بھی بخوبی سمجھ میں آسکتا ہو کہ دنیا میں صرف وہی ایک نوع ہے جس کا وجود اپنے  
اندرونی حقیقت اور استقلال رکھتا ہے، موت کے بعد روح انسانی کی موجودگی اور اس کا بقا تمام مذاہب کے نزدیک مسلم ہی  
سائنس کی تحقیق جدید بھی روح انسانی کی حیات بعد المات کو تسلیم کرتی ہے، حکماء اسلام انسان کے اندر دو درجن  
کی موجودگی ثابت کرتے ہیں، ایک روح حیوانی جو قوائے طبعی کا سرچشمہ ہے، اور موت کے ساتھ ہی فنا ہو جاتی ہے، اور  
دوسری روح انسانی جو محل معرفت الہیات ہے، اور جو موت کے بعد بھی جسم خاکی سے علیحدہ ہو کر باقی رہتی ہے،  
روح کے متعلق تفصیلی اور ناقدانہ تبصرہ کرنا میرے بحث سے خارج ہے، لیکن جو کچھ میں کہنا چاہتا ہوں اس کے  
سمجھنے کے لئے یہ تذکرہ کر دینا ضروری ہے، کہ روح انسانی ایک مستقل اور غیر فانی چیز ہے، برخلاف روح حیوانی کے جو  
ایک وقت معین کے بعد فنا اور کالعدم ہو جاتی ہے، اس کے خلاف تنازع کا نظریہ عقل سلیم کے نزدیک قابل التفات نہیں  
ہے، یقیناً اس زمانہ میں جب کہ دنیا کے علم کی قوائے عقلیہ کافی نشوونما پا چکی ہیں، یہ نظریہ خود بخود رد ہو چکا ہے، اگرچہ  
دیدن کو بفرص محال کتب سماوی ہی کیوں نہ تسلیم کیا جائے، تاہم یہ کہا جائیگا کہ امتداد وقت اور انقلاب زمانہ



کال پر بہت کچھ تصرف ہو چکا ہے، اس لئے اس بحث کو بھی میں طول دینا نہیں چاہتا، بہر حال چونکہ تمام ذہن  
آسمانی کا روح کے متعلق ہمارے متذکرہ بالا نظریہ سے اتفاق ہے، بنابرین میں اس کو صحیح تسلیم کر کے اپنے  
اصل مقصد کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

میں نے یہاں تک بیان کیا تھا کہ انسان ایک مستقل اور غیر فانی ہستی ہے، اور اس کے علان باقی  
سب حیوانات پرند، اور حشرات الارض موت کے ساتھ فنا اور کالعدم ہو جاتے ہیں، گویا جو ہر تخلیق ہر  
انسان ہے اور اس کے سوا جو کچھ موجود ہے وہ سب عوارض ہیں، یا یوں سمجھنا چاہئے، کہ انسان کتاب دنیا  
کا متن ہے، اور باقی سب مخلوقات اسی متن کی شرح و تفاسیر ہیں،

یہ ظاہر ہے کہ حیوانات مگر فنا ہو جاتے ہیں، اور ان کو کسی قسم کی ذمہ دارانہ حیثیت حاصل نہیں ہے،  
یہاں طبعاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ صد ہا قسم کے جانور کیوں ہیں، ان کی تخلیق میں قدرت کی کون سی  
حکمتیں مضمر ہیں، کہا جاسکتا ہے کہ نوع انسان کے آرام اور فائدہ کے لئے یہ سب جانور پیدا کئے گئے ہیں، اگر  
جانور دن کا گوشت انسان کی مرغوب ترین غذا ہے، اور کئی ایک انسان کے لئے دودھ اور پنیم ہیا کرتے  
ہیں، اور بعض بار برداری، اور سواری کی خدمت بجالاتے ہیں، لیکن پھر بھی یہ سوال تشنگین رہ جاتا ہے  
ہم دیکھتے ہیں کہ بیشمار مچھروں کا سر شمشیر ہیں، اور ان گنت چوہے جو پلیگ کے موجب ہیں، اور ان کے  
علاوہ مکمل، پسو، کھیاں، بھڑک، سانپ اور صد ہا قسم کے دوسرے موذی جانور اور خونخوار درندے نوع انسان  
کی ہلاکت اور بربادی کے باعث ہیں، اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ انسان حیوانات سے تسبیح  
بھی حاصل کر سکتا ہے اور ضرر بھی، اس صورت میں یہ نظریہ کہ حیوانات کو انسان کے فائدہ اور خدمت کے لئے  
قدرت نے پیدا کیا ہے غلط ٹھہرتا ہے، کیونکہ بصورت دیگر ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ تخلیق حیوانات نوع انسانی  
کی ہلاکت اور ضرر کی غرض سے عمل میں آئی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ لغو اور محال ہے، اس لئے یہ معلوم ہوا کہ حیوانات  
انسان کے لئے ضرر رسان بھی ہیں اور نفع بخش بھی، لیکن ان دونوں یا ان میں سے کسی ایک کو تخلیق حیوانات

کی علت قرار نہیں دیا جاسکتا۔

دنیا کی ہر چیز کے مالہ اور مایہ پر غور کرنا، اور اس کے اسرار پر اطلاع پانے کی کوشش کرنا انسان کا  
علمی اور عقلی فرض ہے، انسان کے متعلق حکماء زمانہ نے طویل بحثیں کی ہیں، کہ اس کا مقصد رست کیا ہے، اور  
کیون پیدا کیا گیا ہے، علماء اسلام نے اس بحث میں نہایت دھچپ باتیں پیدا کی ہیں، جن سے اسرار تخلیق  
پر کافی روشنی پڑتی ہے، جس وقت نظر سے انھوں نے انسان کا مطالعہ کیا ہے اور فطرت کے راز ہائے سرستہ  
کو ظاہر کیا ہے، یقیناً قابل تحسین ہے، اور احسان و امتنان کا ایک بار عظیم ہے، جس سے دنیا سے انسانیت  
کبھی سکدوش نہیں ہو سکتی، انسان کی بلندی نظر و وسعت تخیل، اسکی ہمہ گیری اور فراست کے پیش نظر وہ  
یہاں تک لکھ گئے ہیں کہ انسان عالم صغیر ہے، یعنی عالم شہود میں جو کچھ بھی ہے، وہ سب کچھ اس چھوٹے سے جہان  
یعنی انسان میں موجود ہے، فطرت انسانی کے سوال کا یہ حل بالکل صحیح اور درست ہے، اگرچہ اس حل کی تشریح  
میں تخلیق حیوانات کے اسرار تک ہماری رہنمائی نہیں کی گئی، میری اس تحریر کا موضوع ہی مسئلہ لائل پر غور کرنا ہے،  
قدرت نے انسان کو بہت سی صفات کے ساتھ متصف کیا ہے جنہیں سے بعض نیکی کا سر شمشیر ہیں مثلاً  
رحم و عدل، صدق و وفا، اتحاد و مودت، خیرت و حمیت، تہور و شجاعت، احساس مساوات، جذبہ حریت،  
اصلاح نفس، وغیرہ، اور بعض برائی کا منبع ہیں، مثلاً قساوت و ظلم، کذب و افتراء، افتراق و مخاصمت، خباثت و  
دانات، بغیظ و غضب، غرور و نخوت، فسق و فجور، وغیرہ، ان ہر دو قسم کے صفات کو اخلاق فاضلہ اور اخلاق رذیلہ  
سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور ان کی افراط و تفریط اور کیفیت و کمیت کے متفاوت انداز سے ان کی تعداد میں ایک  
کثیر اضافہ پر منتج ہوتے ہیں، پھر ان کی ترکیب اور امتزاج کی مختلف مہیتوں سے ان کی صورت معنوی متشکل  
ہوتی ہیں،

مسئلہ تخلیق حیوانات پر سالہائے فکر و تدبر کے بعد میں جس نتیجہ پر پہنچا ہوں وہ لفظ ہر ایک  
حیرت انگیز نظر یہ معلوم ہوتا ہے، پہلی مرتبہ ۱۹۱۹ء میں میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا، اور میں نے ان



خیالات کو قلمبند کیا لیکن چونکہ یہ بالکل انوکھا اور نیا تھا مجھے جرات نہیں ہوتی تھی کہ کسی کو اس پر مطلع کروں، جون جون زمانہ گزرتا جاتا تھا اس نظریہ کی صحت و معقولیت مجھ پر روشن تر ہوتی جاتی تھی، لہذا وہ وقت بھی میرے ذہن سے الگ نہیں ہوتا تھا،

میری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی جبکہ اتفاق سے قرآن کریم کی ایک آیت پر میری نظر پڑ گئی، اور میرے خیال میں اس سے حرفاً حرفاً میرے اس نظریہ کی تائید ہوئی، نیز یہ معلوم ہوا کہ احادیث نبوی سے بھی ضمناً اس کی تائید ہوتی ہے، اسلئے اب میں اپنے آپ کو اس قابل پاتا ہوں کہ اسے حکمائے زمانہ کے سامنے رکھ دوں، تخلیق حیوانات کے متعلق وہ نظریہ جو میرے غور و فکر میں ہے، بہ الفاظ سادہ یہ ہے کہ زمین پر چلنے والے جملہ حیوانات، پانی میں تیرنے والے تمام جانور اور ہوا میں اڑنے والے سب پرندے انسان کے خلاق فاضل و رذیلہ کی صفات متشابهہ ہیں یعنی قدرت کی صنعت کا ملہ نے انسان کی کیفیات معنوی کو خارج میں مجسم کر کے دکھا دیا ہے، گویا یہ سارا کھڑا گ اجمال انسانیت کی تفصیل مجسم ہے،

یہاں یہ واضح پیدا ہو سکتا ہے، کہ اگر حیوانات کلیتہً انسانیت کے اجزا ہیں تو جمادات و نباتات کیوں نہیں، اس کا یہ جواب ہے کہ ظہور اول عالم جمادات ہے، اور اس کی ارتقائی حالت کا نام ظہور ثانی یعنی عالم نباتات ہے، پھر عالم نباتات کی ارتقائی حالت کا نام ظہور ثالث یعنی عالم حیوانات ہے، جب ظہور ثالث کا وقت قریب آچکا تھا عین اسی وقت صانع حقیقی نے انسان کو پیدا کیا، یعنی انسان و حیوان بیک وقت معرض ظہور میں آئے، ڈارون کی تھیوری ظہور ثالث تک حقیقت پر مبنی ہے، اس میں شک نہیں کہ اسکا مقام فضاے مغرب میں اپنے زمانہ کی سطح فراست و بصیرت سے بلند تر ہے، اس نے درست راہ اختیار کی لیکن آگے چل کر دھوکا کھا گیا، نہ صرف یہ کہ وہ عالم حیوانات کی حقیقت تخلیق سے یکسر بے خبر رہا، بلکہ اس راہ میں اس نے یہ ٹھوکر کھائی کہ وہ حیوان کو اساس انسان قرار دیتا ہے، بعینہً اس بچہ کی طرح جس سے اگر پوچھا جائے کہ تو لڑکی ہے یا لڑکا تو وہ جواب دیگا، لڑکا، پھر معاً اس سے پوچھا جائے کہ تو بیوقوف ہے یا دانایا

نہ اس کا جواب ہوگا، دانہ، پھر اس سے یہ سوال کیا جائے کہ تو گدہ ہی ہے یا گدہ ہا تو وہ فوراً بے تکلف بول اٹھے گا، گدہ، کیونکہ اس قسم کے سوالات میں بچوں کو جواب کے لئے سوال کا پچھلا لفظ ہی یاد رہ جاتا ہے، اسی طرح ڈارون راہ تخلیق میں منازل حکمت کو جس استدلال کی رہنمائی میں طے کر رہا تھا، آنکھیں بند کر کے قدم بڑھا گیا، یہاں تک کہ اس نے آدمی کو ترقی یافتہ بندر بنا دیا،

جو آیت قرآنی میرے نظریہ کی بنیاد اساس قرار پاتی ہے، وہ یہ ہے،

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا حَيَّاتٍ

يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَلُكُمْ

اور زمین پر کوئی حیوان نہیں اور نہ کوئی پرندہ

جو اپنے بازوؤں پر اڑتا ہے، مگر وہ امتیں ہیں

( )

اگرچہ عربی زبان میں "امثال" کے معنی مانند کے بھی آتے ہیں، لیکن اسی کے ساتھ اس کے معنی "صفت" و "حالت" کے بھی ہیں، مثلاً واللہ المثل الاعلیٰ یا مثل الجنة التي وعد المتقون یا مثل کھنڈل الذی استوقدنا اس لئے دراصل

قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیت میں چرند و پرند کو انسانوں کی صفت و حالت میں پیش کیا گیا ہے، اور اس لئے یہ کہنا اپنی جگہ صحیح ہو سکتا ہے، کہ تمام چرند و پرند دراصل انسان کے اخلاق فاضلہ و رذیلہ کے صفات متشابهہ ہیں جن کے ذریعہ انسان کی کیفیات معنوی خارج میں مجسم کر کے دکھائی گئی ہیں،

عجب کیا کہ اگر اخلاق انسانی کی کیفیتوں اور حیوانات کی مادی اور طبعی حالتوں کا پوری شرح و بسط سے استقصا کیا جائے تو جدید نظریہ کے مزید دلائل و براہین مہیا ہوں، اور اس سے انسان کو گران بہا جسمانی اور روحانی فوائد حاصل ہوں،

## مکالمات برکے

برکے کی دانا گس کا ترجمہ میں مکالمہ کی صورت میں برکے نے مادیت کا ابطال کیا، جو قیمت پر حجم ۱۴۸ صفحہ "منیر"



# نامہ کیسبرج

## شذرات افکار

از

پروفیسر تاثیر ایم اے، کیسبرج

پروفیسر تاثیر ایم اے (اسلامیہ کالج لاہور) پنجاب کے متوقع فاضل ادیب و نقاد ہیں، ان کو اردو اور انگریزی ادبیات پر یکساں عبور ہے، ہم کو یقین ہے کہ وہ ایک دن پنجاب کے مسلم الثبوت ادیب و فاضل شاعر ہو گئے۔ وہ چند ماہ سے اپنی طلب علم کی تکمیل کے لئے انگلستان گئے ہیں، وہاں سے ان کا جو پہلا خط میرے نام آیا ہے، وہ اس قابل نہیں کہ اسکو صرف نچ کے طور پر پڑھا جائے، اور ناظرین معارف کو اس کے لطف سے محروم رکھا جائے، سب سے پہلے ان کے مذہبی جذبہ کا ہم کو احترام ہے، پھر ان کے قومی احساس کی تصویب کرنی چاہئے، بعد ازیں انکی صحیح علمی طلب و تحقیق کی داد دینی ہے، ہم کو یورپ جانے والے نوجوانوں سے بھی شکایت رہتی ہے کہ وہ اپنی چیز سے بے خبر ہو کر یورپ کیون جاتے ہیں، اور وہاں کی ہر اچھی اور بری چیز سے اس قدر معویب کیون ہو جاتے ہیں، پروفیسر تاثیر نے اپنا جوتونہ پیش کیا ہے وہ ہمارے یورپ جانے والے نوجوانوں کے لئے ایک نئے دور کا دیباچہ ہے۔

اپنی تعلیم و تحقیق کا رین ان کو جو کامیابی حاصل ہوئی ہے ہم اس پر بخوشی دل ان کو مبارکباد دیتے ہیں، اور دعا کرتے ہیں کہ وہ یورپ کا علم سیکھ کر آئیں، یورپین بکرن آئیں، کہ تاثیر کی تاثیر سے ہمارے غلام نوجوانوں کو سچی رہنمائی مل سکے،

”سیامان“

علامہ محترم - السلام علیکم

کیسبرج میں داخلہ | نام نہون کہ اب تک کوئی عریفہ ارسال خدمت نہ کر سکا، لیکن کچھ اس جلدی میں روانہ ہوا، اور اس بے سرو سامانی سے یہاں پہنچا کہ سر نہ اٹھا سکا، اب پہلا ٹرم (دور اول) ختم ہوا ہے تو حاضر خدمت ہو رہا ہوں، میں انگریزی ادب میں ریسرچ کر رہا ہوں، اور بد قسمتی سے اس وقت پہنچا ہوں جب چند سال پہلے یہاں کے ذمہ دار پروفیسر (کہ یہاں وہی حاکم ان قضا و قدر ہوتے ہیں) طے کر چکے ہیں کہ کسی انجی کو (امریکن، ہندی، جرمن کوئی ہو) کم از کم انگریزی ادب میں براہ راست پی۔ ایچ۔ ڈی کے لئے نہیں لیا جائیگا، عام طلبہ کو بی اے (TRIPDS) میں لے لیتے ہیں اور ریسرچ والوں کو (M. Lit) ایم۔ ایٹ میں، اور بس! مگر چونکہ میرا مقصد محض حصول علم ہے اسلئے میں ڈگری کے نام پر نہیں گیا اور لنڈن اور ڈبلن وغیرہ کی طرف رجوع نہیں کیا، تجارتی طور پر شاید ایم ایٹ سے زیادہ بے مفید ہوتا مگر ہفتہ عشرہ کے بعد میرے نگران نے مجھ سے واضح طور پر کہہ دیا تھا کہ ”یہ محض ابتدائی SCHOOL WORK ہے، تمہیں امتحان بازی سے بہتر کام کرنا چاہئے“

میں بے موضوع | آپ خوش ہونگے جو کام میں کر رہا ہوں وہ ادبی بھی ہے اور اسلامی بھی! دین و دنیا دونوں کی بہتری کا اہم ہے، انشاء اللہ میرے مضمون کا عنوان ہے: ”مشرق کا تصور انگریزی ادب میں، از ابتدا تا حال۔ مشرق سے مغرب کی مشترک مسلمان ہی رہے ہیں اور میرے اس کام سے عجب عجب انکشافات کی توقعات ہیں، شاید ہمارے ان مغرب زدہ حضرات کو جو آپ ہی آپ مغرب کو مذہب سے عاری قرار دیکر اپنے دماغی افلاس کے لئے سہارا ڈھونڈتے رہتے ہیں کچھ عبرت حاصل ہو، میں نے کام بالکل ہی ابتدائے عہد سے شروع کیا ہے، آج کل ایٹنگھو سیکسن کی تصنیفات میں مشغول ہوں، مشکل یہ ہے کہ مجھے انگریزی ادب کی ہر صنف نظم و نثر، ڈرامہ، ناول، سیاحت، وغیرہ کی کتب میں سے گزرنا پڑے گا، اور چونکہ پروفیسروں نے ان کتب کو میرے زاویے سے کبھی نہیں دیکھا اسلئے وہ مجھے پوری راہبری کی امید نہیں دلاتے، لیکن یہاں کے پروفیسر اسٹورقانی العلم ہیں، اور اس قدر خوش اخلاق اور منکر المزاج ہیں کہ ہر وقت ہر قسم کی مدد کے لئے تیار رہتے ہیں،



یورپین اساتذہ اور مذاہب | میرے نگران کار جو انگریزی شعبے کے صدر ہیں، اناسٹ بھی ہیں اور بیسیوں کتابوں کا منت  
ہیں، اور عہد حاضر کے مشاہیر میں شمار ہوتے ہیں، سر آر تھر کو لڑ کوچ! وہ ان تمام صفات میں شاید سب سے بہتر ہیں،  
مغربی کچھ بہترین نمونہ ہیں، مگر گرجے بھی جاتے ہیں اور اپنی مذہبی تصنیفات سے بھی پوری طرح واقف ہیں، ان کی  
میز پر پوٹس پر ڈین انگ کی کتاب پڑی تھی! ہمارے تعلیم یافتہ "حضرات میں سے کتنے ایسے ہیں جنہوں نے یہ کتاب  
کو اچھی طرح تو کیا محض پڑھا ہی ہو؟ انہوں نے مخالفوں کی تحریروں کو بھی نہیں پڑھا ہوتا۔ اس میں تصور ہمارا پڑھنا  
انگریزی کی سرکاری درس گاہوں میں مذہبی تعلیم کا نہ ہونا تو شاید قابل ملاحظہ ہو لیکن ہمارے اسلامی ادارات میں  
بے نیازی برتی جاتی ہے اس کا کیا جواب، کیا مسلم یونیورسٹی میں کوئی باقاعدہ SYLLABUS موجود ہے، کیا اس  
قسم کی کوئی تجویز پیش نظر ہے؟ میں نے اپنے کالج والوں کو توجہ تیار کر لیا ہے، دیکھیے کیا انجام ہوتا ہے  
ارباب کار کو آپ سے استدلال کے لئے بھی لکھا، امید ہے کہ آپ اسے میری پرانی عادت سمجھ کر معاف کر دیں گے، ایک  
ادبی رسائل کو حال ہی میں آپ کے پیچھے ڈال چکا ہوں، اگر ایسا کام تو اسلامی دنیا کے کسی گوشہ میں ہو آپ کی طرف  
لازمی طور پر ہاتھ پھیلائے جائیں گے، ضروریات حاضرہ کے مطابق دینی تعلیم کا نظام تدریس!۔

قدیم و جدید کا امتزاج | بیان اگر چند نیک نیت گمراہان مسلمان نوجوانوں سے گفتگو کر کے یہ پرانا احساس پھر بیدار ہو  
ہے، کہ ہم نے نبی اے بہت پیدا کر لئے ہیں، مولوی بھی کافی ہیں، کیا ان کا امتزاج ناممکن ہے؟ میں محض علمی پہلو کی طرف  
نظر ڈال رہا ہوں، عمل کی صلاحیت مختلف چیز ہے،

مسئلہ یہ ہے کہ دینیات کو کچھ اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ اب وہ محض مضحکہ کا سامان بن کر رہ گیا ہے، کوئی  
وجہ نہیں کہ جب انگلستان میں قمیص کو پتلون سے باہر لٹکا کر چلنا مذہب مجاس میں شرکت سے مانع ہو سکتا ہے تو  
معاشرتی معاملات میں ہمارے علماء کے فتاوے کفر کو بربریت کا نمونہ سمجھا جائے، دینیات کچھ بھی کی تعلیم ہے اس  
کے لئے طہارت کے مسائل بھی اہم ہیں اور آداب مجلس بھی، ان کا انکساری "کافر" نہ ہوا، تو اور کیا ہوا، بفرق  
لیکن ہمیں تو کفر کے معانی یا اصطلاحی مذاہب بھی بتائے نہیں جاتے،

جب ہماری سرکاری مدائے انگریزی تعلیم رائج کر کے بیک جنبش قلم ہمارے سینکڑوں عالموں کو جاہل اور نہراہ  
باروزگاروں کو بے روزگار بنا دیا تو اس وقت یہی بد نصیب ملا ٹھے اور انہوں نے عدم تعاون کی اولین آواز  
بد کی اور اس سے انکار کرنے والوں کو کافر قرار دیا، آج غدار اور ٹوڈی کے لفاظ لفظ "کافر" کے محل استعمال کئے جاتے  
ہیں اور خراج تحسین حاصل کرتے ہیں، مگر ان بچاڑے ملاؤں کی تحریک کو جہالت کی بدترین مثال بنا کر پیش کیا جاتا  
ہے اور ان کو قومی ترقی کا سب سے بڑا دشمن بتایا جاتا ہے، ضرورت ہے کہ پرانی روایات کو صحیح طور پر استوار کیا  
جائے اور نئی عمارت کو انہیں بنیادوں پر قائم کیا جائے، مغرب و مشرق کا جبرمی اور اضطراری پیوند کبھی بار آور  
نہیں ہو سکتا،

علم و ادب میں قدیم و جدید | یہی حال ہمارے علم و ادب کا ہے، ہم مغربی زبانوں میں فقط انگریزی کچھ جانتے ہیں  
اور اسی برتے پر ایک جدید ادبی تحریک کا بلند آہنگ ادعا کرتے رہتے ہیں، اور  
کا امتزاج

یونہی نئی تنقید کا غل غبار اچا رکھا ہے، حالانکہ اپنے ادب کی روایات کی صحیح تفہیم کے بغیر کوئی نیا راستہ پیدا کرنا  
محض پنہاریوں پر نظریں لکھنے سے جدید ادب تخلیق نہیں کیا جاسکتا، یہ "جدید موضوع" ولی دکنی کے کلام میں بھی نظر  
آتا ہے اور نہ توانی کی ترتیب بدلنے سے نیا عروض وضع ہو جاتا ہے، اس میں ہمارے ادیب ابھی پوری کے  
گیتوں اور ٹھریوں تک بھی نہیں پہنچے، نہ جانے ہم اپنی ملکی ادب کو اپنا ماخذ بنانے سے کیوں گھبراتے ہیں؟ سلسل  
نظرون اور مناظر قدرت کے شیدائی میٹر کی مثنویوں کو کیوں نہیں دیکھتے، انہیں ان میں حیوانات تک کے کردار  
منظر اور جاندار صورت میں دکھائی دینگے، ہمیں غیر ملکی ادب سے محض دچسپی ہے، واقفیت کچھ بھی نہیں، صحیح پندار  
تو ادب پر محض اپنے ادب سے دچسپی تک نہیں،

ترک سلاطین کی ادب نوازی | بیان ایک ہندی "مشرق" طالب علم علامہ شبلی کو غیر مستند کہہ رہے تھے اور یوں کہ  
تحریر قصیدہ خوانی کر رہے تھے، ایک "مورخ" صاحب ترک سلاطین کی جنگ جونی کے تو معترف ہیں، مگر ان کی علم  
ادب سے جہالت پر "ندامت محسوس کرتے ہیں"۔



سلطان سلیم اول کا دیوان  
مستشرقین کی غلطی

اتفاق سے مجھے ایک قدیم انگریزی نظم کے مسودات کی تلاش میں برٹش میوزیم لندن جانا پڑا۔ کیمرج میں پڑے پڑے اکتا گیا تھا۔ دو دن کے کام کو چار دن پر پھیلا دیا۔ ایک دن یونہی سوہوین کے مکتوبات کے سلسلے میں سر آمد مستشرقین قدیم و جدید جناب ریو کی فرست مخطوطات ترکی کو الٹ پلٹ رہا تھا۔ سلطان سلیم کا نام نظر آیا، مجھے اس ترک سلطان سے خاص عقیدت ہے اس کا فارسی دیوان بڑی جدوجہد سے مل گیا ہے۔ جلد جلد اندراج پڑھا تو معلوم ہوا کہ یہ مسودہ نمبر ۸۵۰۷۷۷ سلیم اول نہیں بلکہ سلیم ثانی کا فارسی دیوان ہے کچھ حیرت بھی ہوئی کیونکہ سلیم ثانی فارسی میں شعر گوئی سے قطعاً ناواقف تھا کچھ خوشی بھی ہوئی کہ ایک نئی دریافت ہوئی، مگر یہ مسودہ جو نکلوا یا تو سلیم اول کا کلام پایا، دیکھ کر غلط نسخہ ہے جس میں کئی کام کی چیزیں غائب ہیں ضیائے کی خرابات کے انتخاب سے مقابلہ کیا، اپنے نسخے کو دیکھا، ادھر ریو کی شہرت، ادھر انہی انگلیں، جب اپنے ہی پر اعتماد کرتا، مگر ریو نے اپنے اندراج میں بعد وثوق دو اور نسخوں کا حوالہ دے رکھا تھا، ایک لنگز کا کلام کیمرج کا نسخہ نمبر ۱۱۱۲ اور ایک پٹیرز برگ لائبریری کا کیمرج واپس آیا تو چھٹیوں ہی میں لنگز کا کلام کے کتب خانے کو لٹکھٹایا، وہاں کچھ اور ہی ماجرا پایا، نمبر ۱۶۳ کسی شکاری کے انگریزی میں حالات ہیں، میں نے نگران سے لکھ ریو کا حوالہ غلط نہیں ہو سکتا، ریو کے نام پر وہ بھی چونکا اور کہنے لگا واقعی ریو کا حوالہ غلط نہیں ہو سکتا، چنانچہ پڑتال کے بعد معلوم ہوا کہ نئی فرست بناتے وقت یہاں کچھ گڑبڑ ہو گئی ہے، ۱۶۳ واقعی دیوان سلیم ہے، نگران نے ریو کا نام دوبارہ بعد احترام لیا اور نسخہ میرے حوالہ کر دیا، مگر استغفر اللہ؟ یہ تو شاہجہانی عہد کے شاعر سلیم طرانی کا دیوان ہے، نہ سلیم اول نہ سلیم ثانی، اس میں پان کا ذکر لہذا ہے۔

ہاں سرے ست چور ملک بند خواں را

چمن بخون گل ولالہ پرورد پاں را

نی توان ز نزاکت دلیر بوسیدن

چو برگ لالہ لب سرخ ایں میاں را

مستشرقین کہہ سکتے ہیں کہ شاید سلطان سلیم نے پان کا ذکر سنا ہوگا، یا کوئی ہندوستانی نوٹڈی پیش نظر ہو، ایک قطعہ میں پھٹے ہوئے جوتے کی شکایت ہے، یہ بھی شاید شاعرانہ مضمون بندی پر محمول کیا جاسکے، اسی طرح

عاشق ز شوقِ شال سرم را ہوا کے کشمیر است، کی بھی تاویل ہو سکتی ہے، مگر شاہجان اور وزیر سلطنت اسلام خان کے قصائد کا کیا کیا جائے، اور امر کی "بھٹ گری" سے

تا چند کئی فکر پئے جائزہ دادن

اور یہ حسرت بھری یاد وطن سے

زہند ہر کہ سفر می کند سلیم بگو

لنگز کا کلام کے فرست نگار نے اسے محض "دیوان سلیم" لکھا ہے اور اس سے بڑھکر کوئی تحقیق نہیں کی ہے

مگر تفصیل مندرجات کے دیتے ہوئے چند سطروں ہی میں "استشرق" کا حق ادا کر دیا ہے، تین مثنویوں کو ایک بنا دیا ہے، قصائد اور مناقب کو غلط ملط کر دیا ہے، اور قطعات کی صفت سے ناآشنائی کا اظہار فرمایا ہے، اب

ہا پٹیرز برگ کا نسخہ یہ فرانسیسی فرست مخطوطات میں نمبر CDLXXIV ہے، اور فرست نگار نے بوضاحت

اسے سلیم اول کا دیوان قرار دیا ہے اور سنین سلطنت بھی دیے ہیں، اور کتب خانہ حمید یہ اور نوری عثمانیہ کے نسخوں

کا بھی ذکر کیا ہے، مگر "مستشرقیت" کے جملہ لوازم نبھانے کی خاطر میں نے دڑتے دڑتے پٹیرز برگ (اشتر کی لینڈ)

بھی یہ سب کچھ لکھ بھیجا ہے۔

لیکن سلطان سلیم کا دیوان منہ سے بول رہا ہے کہ یہ سلیم اول کا کلام ہے، اس کی اسلامی فتوحات اور

اس کی مجاہدانہ روح چھپائے نہیں چھپتیں، اسماعیل صفوی کی قزلباش (سرخ سر) فوجوں کا ذکر، مصر کی فتح،

جاز کی تخیل ایک ہی نظم میں ہم موجود ہیں۔

شکر از تختِ ستان بول سوئے ایران تا ختم

سرخ سر را غرقہ خونِ ملامت ساختم

شد غلامِ ہتم از جان و دل واسلے مہر

تا لوئے خسروی بر نہ فلک افرا ختم

کرد از ملک عراق ایں مژدہ آہنگ جاز

چنگ نصرت را چو در بزم طغر تو ختم

سارا کلام دلچسپ ہے، ترکی میں فارسی ادب کے عروج کی داستان ایک مستقل تصنیف کی محتاج ہے



گب انجانی کی تاریخ بالکل ابتدائی ہے، مگر غنیمت ہے، مجھے یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ سلطان سلیم کے دیوان کے نسخے گب نے دوسری جلد کے کسی حاشیہ میں ریوسے اختلاف کیا ہے مگر نہ دلائل دیے ہیں اور نہ گنگز کا بیج اور نہ پیر پور کے حوالہ جات کی تردید کی ہے، حالانکہ براؤن نے نظر ثانی اور ترتیب کی ہے، بلکہ لکھا ہے کہ ریوسے غلطی انہوں نے کا لمدوم کا حکم رکھتی ہے!!

آئندہ کام | مجھے ڈر ہے کہ میرا خط "مقالہ اقتصادی" بنتا جاتا ہے، بلکہ بن چکا ہے، اسے چار مہینے کی خاموشی کا رونا عمل سمجھئے، اب تھے ٹرم کا آغاز ہے، ہرجون تک معروف رہو گنا، پھر لمبی چھٹیوں کا بیشتر حصہ برٹش میوزیم میں گزارو گنا، کیمبرج ہی رہتا، مگر یہاں کی لائبریری کئی صدیوں کے بعد نئی عمارت میں منتقل ہو رہی ہے، لہذا چار مہینے بند رہے گی، پروفیسر اور ریسرچ کرنے والے طلبہ سراسیمہ ہو رہے ہیں، مجھے خود لندن کا شور و غوغا پسند نہیں مگر مجبوری ہے، شاید کچھ عرصہ فرانس رہوں، وہاں کی ٹور گیلری دوبارہ باطمینان دیکھنا چاہتا ہوں اور خوش قسمتی سے فرانسیسی سیکھنے کے لئے جو وظیفہ ملا ہے اس کے لئے بھی وہاں جانا ضروری ہوگا، لہجہ درست کرنے کی خاطر تعلیمی کامیابی | آپ خوش ہونگے پہلے ٹرم کے کام کے بعد مجھے انگلش بورڈ نے ایم لٹ سے اٹھا کر پی ایچ ڈی میں ڈیٹا ہے، اس سے میرے بعد آنے والے ہندوستانی اور دیگر اجنبی طلبہ کے لئے نظیر قائم ہوگئی ہے، گو براہ راست انگریزی کی پی ایچ ڈی میں نہیں لینگے مگر دو تین ماہ کے کام کے بعد تو لے لیں گے، قاعدہ کلیہ کی استثنا تو ہوگئی،

میں شاید پہلا ہندوستانی ہونگا، جسے انگریزی میں کیمبرج یا اوکسفورڈ سے پی ایچ ڈی ملے گی، خدا اگر کامیاب کر دے، مجھے اپنی نااہلیت کا سخت احساس ہے، میرے لئے دعا مانگتے رہئے، میں آپ کی دعاؤں کا بے حد محتاج ہوں۔

آنا نگرہ خاک را بنظر کییا کنند

آیا بود کہ گوشہ چشمے با کنند

دیگر کہ رانقہ سے یاد فرمائیے، آپ نے لکھا تھا کہ تم سے بہت سے کام لینے ہیں، فرمائیے!

## دہ فصل تبریزی

ترک فاضل عالی ردی المتوفی ۱۰۸۰ھ کی کتاب ربیع المرسوم کا ذکر ہماری کتاب خیام میں آیا ہے، ربیع المرسوم کا نہایت عمدہ اور قدیم نسخہ دارالمصنفین میں موجود ہے، عالی دسویں صدی اور گیارہویں صدی ہجری کا ایک ترک فاضل اور ترکی و عربی و فارسی کا مشہور شاعر تھا، اس نے ۱۰۸۰ھ ربیع المرسوم کے نام سے اپنے فارسی منظومات کا مجموعہ مرتب کیا ہے، اس کا پہلا حصہ ان فارسی رباعیات پر مشتمل ہے، جنکو عالی نے خیام کے رباعیات کے جواب میں لکھا ہے، اس جوابی حصہ کے شروع میں عالی نے خیام کے حالات جن ماخذوں سے جمع کئے ہیں، ان میں ایک تبریزی کی دہ فصل ہے، اور اسی ذریعہ سے ہم نے اس رسالہ کا حال جانا،

کتاب خیام کی تالیف کے وقت تک ہم تبریزی اور اسکی دہ فصل سے براہ راست واقف نہ تھے، چنانچہ تالیف مذکور میں جہاں اس کا ذکر آیا تھا، یہ لکھ دیا گیا تھا کہ ہم تبریزی اور اس کی دہ فصل سے واقف نہیں، کتاب کی اشاعت کے بعد حیدر آباد دکن سے خیامیات کے ایک بڑے صاحب ذوق ماہر نڈت و نیٹ راؤ داتا نا معتمد مالیات سرکار نظام نے کتاب خیام کی مجدد رج و سائش فرمائی بلکہ انھوں نے یہاں تک لکھا کہ خیام کے متعلق کسی زبان میں آج تک یہ معلومات فراہم نہیں ہوئے، ساتھ ہی بڑی بشارت انھوں نے یہ سنائی کہ خیام کے رباعیات کے متعدد قلمی مجموعوں کے علاوہ تبریزی کی یہ دہ فصل بھی ان کے پاس موجود ہے، اور اس کے بعد ہر مہربانی یہ فرمائی کہ اس رسالہ کی ایک نقل اور ابتدائی صفحات کے فوٹو عنایت کئے،

اس نسخہ کے دیکھنے کے بعد یہ حیرت انگیز حقیقت سامنے آگئی کہ عنوانات پر تقسیم کر کے رباعیات خیام کا سب پہلا نمونہ مرتب نسخہ غالباً یہی ہے، اس نے حروف تہجی کی رعایت نہیں کی ہے،



اس نسخہ کے سرورق پر اس کے پہلے مالک مالکہ حسن بن علی اُحسینی کی مہر ہے، اور ایک اور بھی مہر ہے، اور یہاں پر معلوم ہوا کہ رسالہ کا اصلی نام "طرب خانہ" ہے، لیکن چونکہ یہ دس فصلوں پر مرتب ہے، اس لئے وہ فصل کے نام سے مشہور ہوا، مصنف کا نام یار احمد بن حسین الرشیدی المشہر بالتبریزی ہے، طرب خانہ تاریخی نام ہے، اس سے بحساب ہجری ۸۶۷ھ نکلے ہیں، چنانچہ مصنف مذکور دیا چہ میں کہتا ہے،

بہ وہ فصل ایس نسخہ اتمام یافت  
برترتیب احسن بوجہ نیسکو  
طرب می فزاید نہ ہر صفحہ اش  
ورت نیست باور بہ بین روبرو  
طرب خانہ اہل فضل است و بہت  
طرب خانہ تاریخ اتمام او

اس سے ظاہر ہے کہ اس رسالہ کی تالیف کا سال ۸۶۷ھ ہے، اور یہ سنہ بوڈلین لائبریری کے نسخہ طرب خانہ کے سنہ سے صرف دو سال بعد کا ہے، یعنی بوڈلین کا نسخہ ۸۶۵ھ میں تبریزی کے شہر تبریز میں لکھا گیا ہے، اس سال میں تبریزی نے خیام کے رباعیات کو نو متفرق عنوانوں میں تقسیم کیا ہے، اور ہر عنوان کے نیچے اس عنوان کی مناسب باعیاں جمع کی ہیں، اور آخری دسویں فصل میں خیام کے حالات میں دس حکایتیں درج کر کے رسالہ کو ختم کیا ہے، وہ نو عنوانات جسے تبریزی نے خیام کی رباعیوں کو تقسیم کیا ہے، حسب ذیل ہیں،

۱۔ فی التذریۃ والمناجاة وطلب المغفرة وما يتعلق بہ،

۲۔ فی الحکایات واسلۃ الحکمت، والاعتراضات وغیرہ،

۳۔ فی النصائح والاداب وما یناسب بہا (کذا)،

۴۔ فی الاعتناء والفرقة ومضیق العیش وحدوث العالم والقفا وغیرہم (کذا)،

۵۔ فی الطریات والحث وما یتعلق بہا،

۶۔ فی جریان الفصول خصوصاً فی الزیج والحدیدین، واعتناء اوقاتہم (کذا)،

۷۔ فی النکات والتضمینات والملمعات،

۸۔ فی الموقوفات،

۹۔ فی السکرات والمزل وما یناسب بہا (کذا)،

انوس ہے کہ پیش نظر نسخہ میں یہ نو دن فصلیں علامہ علامہ لکھی نہیں، یا اس میں سے کچھ صفحے گر گئے ہیں، آخری دسویں فصل میں خیام کے متعلق دس حکایتیں ہیں، یہ تمام حکایتیں بے سند اور محض گڑھی ہوئی ہیں، اور یہ اکثر وہی ہیں، جو پچھلے تذکروں میں خیام کے متعلق ملتی ہیں، مثلاً،

۱۔ حضرت سلطان ابوسعید ابوالخیر اور خیام کے درمیان سوال و جواب،

۲۔ سنگار گاہ میں خیام کے شکاری کتے کا ذکر بھاگنا، اور خیام کا اس پر رباعی موزون کرنا،

۳۔ خیام کا قائل تنازع ہونا اور گدھے کے کان میں رباعی پڑھنا،

۴۔ امام محمد غزالی کا خیام سے تلمذ، اور نشہ کی حالت میں خیام کا ان کو اجازہ دینا،

۵۔ حکیم ناصر خسرو کا اپنی تالیف روشنائی نامہ خیام کے پاس بھیجنا،

۶۔ خیام اور محاسب والا قصہ،

۷۔ بخارا میں امام بخاری کے مزار پر پہنچ کر خیام پر مجذوبانہ کیفیت کا بیان ہونا،

۸۔ وفات اور امام سنائی کے استاد محمد منصور سے تلمذ،

۹۔ خیام کے کوئی اولاد نہ تھی،

۱۰۔ سبزوار میں نظامی عروضی کے ہاتھ کے لکھے ہوئے نسخہ کا دیکھنا اور اس کے نیچے یہ لکھا ہونا، کہ میں آخری دفعہ

اس سے ملا، اور اس سے اس کی قبر کی نسبت پیشینگوئی سنی، چند سال کے بعد اس کی قبر پر چانا، اور اس کی مان سے ملنا، اور اس کی

اپنے بیٹے کی بخشائش کے متعلق خواب دیکھنا، اور یہ رباعی اس کی زبان سے سننا، اسی سوختہ سوختہ سوغتی،

مالی کا جو نسخہ ہمارے پاس ہے اس میں نظامی کی اس ملاقات کی تاریخ ۵۲۲ھ لکھی ہے، لیکن تبریزی کے پیش نظر نسخہ میں ۵۲۳ھ

اربع جانتے ہیں کہ اصل چار مقالہ عروضی کے قلمی و مطبوعہ نسخوں میں اس ملاقات کی تاریخ ۵۲۲ھ لکھی ہے، واللہ اعلم بحقیقۃ الحال،



# تَلَفُّوفٌ بِبَصَرٍ

## دانش گاہ ایران

یعنی

## ایران کی ایک نئی یونیورسٹی

ایران کی حکومت جب سے رضا شاہ جیسے مدبر و ہوشمند فرمانروا کے ہاتھوں میں آئی ہے، اس وقت سے ایران اپنے ہر شعبہ عمل میں روز بروز ترقی پر ہے، اور نہایت سلامت روی، اور روح اسلامی کے تمام وقار کے ساتھ مختلف قسم کی مدنی، علمی، و تعلیمی ترقی عمل میں آرہی ہے، اسی سلسلہ میں حکومت ایران نے ایک نئی یونیورسٹی "دانش گاہ" کے نام سے آئندہ سال قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے، بلکہ اس یونیورسٹی سے ملحق ہونے والے بعض مدارس عالیہ کا افتتاح اسی سال ہو گیا ہے، جس کے حالات صحیفہ "الفتح" مصر میں آئے ہیں، اس یونیورسٹی یعنی "دانش گاہ" ایران کے ماتحت مختلف علوم و فنون کے علیحدہ علیحدہ کالج و مدارس عالیہ کھولے جائیں گے جنہیں سے ایک کالج "کلیہ اسلامیہ" (اسلامیہ کالج) کے نام سے اس سال کھل گیا ہے، اسی طرح سال آئندہ طب، قانون و سیاست، سائنس، آداب و فلسفہ، اور صنعت و حرفت کے لئے علیحدہ علیحدہ کالج کھولے جائیں گے، اور یہ دانش گاہ (یونیورسٹی) کلیہ اسلامیہ (اسلامیہ کالج)، کلیہ طبیہ (طبیعی کالج)، کلیہ حقوق و سیاست (حقوق کالج)، کلیہ علوم (سائنس کالج)، کلیہ فنون (آرٹس کالج)، اور کلیہ فلسفہ و آداب و تربیت پر مشتمل ہوگی۔

ان میں سے کلیہ علوم دینیہ اسلامیہ کا افتتاح گذشتہ مہینہ میں ہو گیا ہے، اس موقع پر وزیر تعلیم نے

اپنے خطبہ میں کہا:-

"وزارت تعلیم نے علوم دینیہ اسلامیہ کے لئے ایک کلیہ کی تاسیس و قیام کا عزم کیا ہے، اسلامی علوم و فنون اس وقت یورپ کے علوم جدیدہ و فنون متنوعہ سے متزلزل ہو رہے ہیں، وزارت تعلیم نے عزم کیا ہے کہ وہ مختلف اسلامی علوم و فنون فقہ، حکمت و فلسفہ و ادب کو جمع کر کے ان کی حفاظت و ترقی کی خدمت انجام دے، انہی اغراض و مقاصد کے ساتھ اس وقت طهران میں اس مدرسہ کا افتتاح کیا جاتا ہے، جو نمونہ ہوگا، اپنے ان تمام مدارس کا جو ایران کے مختلف شہروں میں قائم ہونگے، اور اس مرکز سے ملحق کئے جائیں گے،"

اس مدرسہ علوم دینیہ اسلامیہ کا افتتاح طهران کی ایک وسیع مسجد میں کیا گیا ہے، یہ مسجد جو "مسجد سپاہ" کے نام سے موسوم ہے، طهران کی خوبصورت ترین عمارتوں میں شمار کی جاتی ہے، اس کا بانی حسین خان سپہ سالار نامی تھا، جس نے ۱۲۹۶ھ میں اس کی تعمیر شروع کی، اور جو ۱۳۰۲ھ میں اتمام کو پہنچی، مسجد میں کہیں کہیں مرمت اور ترمیم کی ضرورت تھی، حکومت نے اسکی ترمیم و تکمیل کا کام بھی شروع کر دیا ہے، تاکہ یہ اس مذہبی مدرسہ کی کارآمد اس مدرسہ کا نصاب مرتب کر لیا گیا ہے، علوم دینیہ اسلامیہ کے تین شعبے علوم نقلیہ، علوم عقلیہ، اور فنون ادبیہ قرار پائے ہیں،

اس مدرسہ سے متعلق ایک بڑا کتب خانہ بھی قائم کر دیا گیا ہے، جس میں اس وقت تک ۴،۴۰۰ کتب بین داخل ہو چکی ہیں جنہیں سے ۲۱۵۱ قلمی کتب ہیں، ان قلمی کتابوں میں سے اکثر ایسی ہیں، جن کے نسخے یورپ اور ایشیا کے کتب خانوں میں منسلک سے ملتے ہیں،

اس مدرسہ کے لئے مقصورہ مسجد کی بلندی پر ایک کمرہ بھی تعمیر کیا گیا ہے، جس میں ایران کا ایک نوایا "آرٹسٹاؤل" نصب کیا گیا ہے، اس آئینہ کو وزارت تعلیم نے پیش کیا ہے، یہ آئینہ حرکت زمین کی پیمائش کا کام



دیگا اس کی ایجاد اس آئہ کی بنیاد پر ہے، جسے یونان کو نے ۱۸۵۰ء میں پیرس میں ایجاد کیا تھا، اسی سلسلہ میں اس آئہ کا تجربہ بھی پہلی مرتبہ پبلک کو دکھایا گیا، حاضرین اپنی اس ملی ایجاد کو دیکھ کر نہایت محظوظ ہوئے اسے اس کے ایک ریاضی دان استاد نے تیار کیا ہے،

اس کلید میں تعلیمی مدت ۶ سال رکھی گئی ہے، جو ہر ایک شعبہ منقول و معقول و ادبیات کے لئے ہدایت دہ ہے، اس ۶ سال کی مدت کے پہلے ۲ سال پر تعلیم کا ایک درجہ تمام ہو جاتا ہے، جس کو ختم کرنے پر طلبہ کو سند پڑھانے کی سند دیا جائے گی، پھر جو طالب علم مزید ۳ سال کی تکمیل کر سکیگا اسے "فقہ" "حکیم" اور "ادیب" کی سند عطا کی جائے گی، جو یورپ کی یونیورسٹیوں کی "ڈاکٹریٹ" کی سند کے مساوی ہوگی،

پھر اسی طرح اس "ڈانشگاہ" کے دوسرے کلیات کا انتساب ہوگا، اور ایران کے دوسرے شہروں میں اسی نمونے کے مدارس عالیہ کھولے جائیں گے، جو سب کے سب اس "ڈانشگاہ" کے ماتحت اور ملحق ہوں گے،

"ر"

## ترکی کی وزارت تعلیم حفظا صحت کی وہ سالہ خدمات

ترکوں نے جنگ عظیم کے بعد استقلال و آزادی وطن کے لئے جو سرفروشانہ متحدہ کوششیں کیں، ان کا ایک اثر یہ بھی تھا کہ اس سالہ طلبہ تک مدارس و مکاتب سے نکل کر میدان جنگ میں آ گئے، اور سرفروشی کر کے وطن کی عزت و ناموس بچائی،

وزارت تعلیم کے خدمات استقلال وطن کے بعد یہ طلبہ پھر مدارس و مکاتب میں لوٹ آئے، اس وقت تک یہ مدرسے پہلے سے زیادہ زبون حالات میں پہنچ چکے تھے، اور ملک میں تعلیمی ترقی کا سلسلہ مسدود ہو چکا تھا، اس لئے جب نوجوان ترک استقلال وطن کے بعد اصلاح وطن کی جانب متوجہ ہوئے، تو تعلیمی سلسلہ میں ان کی پہلی نظر انہی مدارس و مکاتب پر پڑی، اور انہوں نے حکومت میں ایک شعبہ وزارت تعلیم قائم کر کے تمام تعلیمی مسائل اس کے سپرد کر دیئے، وزارت تعلیم نے اپنا تعلیمی پروگرام مرتب کر کے اپنی وہ سالہ کوششوں سے ان مدارس و مکاتب کو ان کے اعلیٰ مدارج تک

پہنچا دیا، اور طلبہ کی ایک کثیر تعداد صحیح و مفید تعلیمات سے بہرہ اندوز ہو کر ان مدارس سے نکلی،

اس تعلیمی پروگرام میں سب سے پہلی چیز دارالمعلمین (ٹریننگ کالج) کی بنیاد تاسیس تھی، چنانچہ ۲۵ دارالمعلمین قائم کئے گئے جن سے اساتذہ کی ایک کثیر تعداد فارغ التحصیل ہو کر نکلی، اور اچکل انہی دارالمعلمین کے فارغ التحصیل میں سے

(۱۵) ہزار اساتذہ ابتدائی جماعتوں کو تعلیم دیتے ہیں جنہیں اس وقت ۵۰ ہزار طلبہ زیر تعلیم ہیں، اگر اس تعداد کی ترکوں کی مردم شماری کے اعداد و شمار سے تطبیق دیکھائے تو معلوم ہوگا کہ گویا ترکی میں جبری ابتدائی تعلیم کا قانون رائج ہو چکا ہے، ترکوں نے جبری تعلیم کا واقعی قانون بھی نافذ کیا، جس سے ترکوں کے خاندانہ افراد کے اعداد و شمار میں نمایاں

ترقی ہوئی جس زمانہ میں ترکی میں نئے لاطینی حروف رائج کئے گئے، ان دنوں وہاں ہزاروں مدارس ہر شہر اور

فریضہ میں کھولے گئے، اور حکم نافذ ہوا کہ ترکی کا ہر شخص اپنے روزانہ کے معمولات سے فارغ ہو کر ان مدارس میں حاضر ہو، اور ان حروف میں لکھنا پڑھنا سیکھے، ہر شہر کے باشندوں کی حاضری کا رجسٹر مرتب کیا گیا، اور ان رجسٹروں میں شہر کے ہر باشندہ کی حاضری لازمی قرار پائی، اور ان حروف میں نوشت و خواندگی سند حاصل کر لینا بھی لازمی

قرار پایا، چنانچہ تمام مرد و عورت، بوڑھے، جوان، امیر اور فقیر ان مدارس میں حاضر ہونے لگے، اور اس وقت تک

۱۰ لاکھ نوے لاطینی حروف میں لکھنے پڑھنے کی سند حاصل کر چکے ہیں، اس جبری تعلیم سے ترکوں کی خواندہ جماعت میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا، اسی طرح اس وقت ترکی کے ثانوی مدارس میں ۵۰ ہزار طلبہ زیر تعلیم ہیں، ان مدارس میں مختلف علوم کے

علاوہ، زراعت، صنعت اور تجارت وغیرہ کی تعلیم بھی دی جاتی ہے، پھر دارالفنون کے نام سے مدرسے جدا گانہ ہیں جن میں ثانوی مدارس سے فارغ ہو کر طلبہ داخل ہوتے ہیں، دارالفنون میں ریاضی، طبیعیات، فلسفہ، قانون،

و انفراد وغیرہ کی تعلیم دی جاتی ہے، دارالفنون کے پروفیسروں کی تعداد ۵۰۰ ہے، دارالفنون میں مختلف مضامین کے لئے جدا گانہ مدارس عالیہ ہیں جن میں مختلف علوم و فنون تجارت، صنعت، زراعت، جنگلات، کمپیوٹری، و دندان سازی،

بیٹاری، انجینئری اور ہزاروں دیگرہ کی تعلیم دی جاتی ہے، اسی طرح فوجی تعلیم کے لئے مدرسہ حربیہ ہے، لیکن اس کا تعلق وزارت حربیہ سے رکھا گیا ہے، وزارت حربیہ نے بھی ان مدارس پر اپنی پوری توجہ صرف کی ہے، اور اعلیٰ تعلیم کا اہتمام کیا ہے



ترک لڑکیوں کو بچہ مدارس حریہ کے تمام مدارس میں اپنا داخلہ کرانے کا حق حاصل ہے، چنانچہ وہ بھی مردوں کے دوش بدوش پڑھتی ہیں، اور مدارس ثانوی سے نکل کر دارالفنون کے مختلف شعبوں کے مدارس عالیہ میں داخل ہوتی ہیں، اور بالعموم ڈاکٹری، کمپیوٹری، اور دندان سازی وغیرہ کے مدارس سے فارغ ہو کر نکلتی ہیں، نیز نسوانی ضروریات کی خاص تعلیم کے لئے علیحدہ مدرسے کھولے گئے ہیں، یہ گویا اسی طرح عورتوں کے لئے مخصوص ہیں جیسے مدارس مردوں کے لئے خاص ہیں، عورتوں کے ان مدارس میں سب سے اعلیٰ پیمانہ پر انگورہ کا مدرسہ "مدرسہ عصمت پاشا" ہے، ان مدارس میں نسوانی ضروریات کی تعلیم و تدریس کے وہ جملہ ضروری سامان جو زمانہ حال میں مہیا ہو سکتے ہیں، موجود ہیں اسی طرح عورتوں کے لئے ایک قسم کے جداگانہ مدارس اور بھی ہیں، جن میں انھیں سینے پر دینے، بننے، بچوں کی پرورش اور امور خانہ داری کی تعلیم و تربیت دی جاتی ہے،

وزارت تعلیم نے صنعت طباعت و نشر کا اہتمام بھی اپنے ہاتھ میں رکھا ہے، مطابع زیادہ تر قسطنطنیہ میں کھولے گئے ہیں، جن سے کتابوں کی بڑی تعداد چھپ کر نکلتی ہے، چنانچہ اعداد و شمار کے لحاظ سے ۴ ہزار قسم کی کتابیں سالانہ چھپ کر نکلتی ہیں، اور ان کی مجموعی تعداد ۱۰ لاکھ ہوتی ہے، اسی طرح اس نے مدارس کے نصاب تعلیم کی کتابوں کی تالیف و ترجمہ کا اہتمام بھی اپنے ہاتھ میں رکھا ہے، جن طریقوں پر نصاب کی یہ کتابیں تیار کی گئی ہیں، اور جس نوعیت کے ان میں مضامین ہیں، ان کا تذکرہ معارف کے ان صفحات میں کسی گزشتہ موقع پر آچکا ہے،

وزارت تعلیم نے ملک میں علوم و فنون اور صنعت و حرفت کے پھیلانے اور ذوق پیدا کرنے کی بھی پوری کوششیں کی ہیں، چنانچہ اکثر شہروں میں زراعت، صنعت و حرفت اور تجارت کی نمائش گاہیں قائم کی گئی ہیں، اور ان کے نہایت مفید اثرات ملک میں مترتب ہوئے ہیں، اسی طرح اشاعت کا ایک مخصوص طریقہ اس نے یہ اختیار کیا کہ چند موٹروں پر انواع و اقسام کی چیزیں لاد کر ملک میں انھیں گشت کرنے کے لئے متعین کر دیا ہے، یہ موٹرین ایک شہر سے دوسرے شہر میں جاتی ہیں، چیزوں کی نمائش کرتی ہیں، اور لوگوں کو شوق دلاتی ہیں، ان اشتہاری موٹروں کا تذکرہ بھی ان صفحات میں کسی موقع پر مفصل آچکا ہے،

اسی طرح علوم تاریخ و جغرافیہ وغیرہ کی خدمت کے لئے مختلف علمی انجمنیں مختلف مقامات پر قائم ہیں، ان انجمنوں کے ارکان کی مجموعی تعداد جو ان سے دلچسپی لیتے ہیں، اور کام کرتے ہیں، ہزاروں تک ہے، یہ تمام جمعیتیں اور انجمنیں ایک مرکزی انجمن "انجمن دانش" (اکاڈمی) کے ماتحت ہیں،

ملک میں اس قسم کی مختلف علمی، ادبی، تعلیمی اور صنعتی ترقیوں کے باوجود، ترکی سے ہر سال جو طلبہ تحصیل علوم کیلئے یورپ و امریکہ کو جاتے ہیں، ان کی تعداد ہر سال ایک ہزار سے زیادہ ہوتی ہے،

وزارت صحت کے خدات | وزارت حفظان صحت کی دہ سالہ ترقیان حیرت انگیز ہیں، ترکی میں قیام جمہوریت سے پیشتر محمد عثمانیہ میں حفظان صحت کا صرف ایک محکمہ "محکمہ حفظان صحت" تھا، جو وزارت داخلہ سے ملحق تھا، حکومت قیہ انگورہ نے معاہدہ لوزان کے بعد جب نئے سرے سے حکومت کی تشکیل کی تو اس نے ایک مستقل وزارت، "وزارت صحت و معاونت اجتماعیہ" کے نام سے قائم کی،

"وزارت صحت و معاونت اجتماعیہ" نے اولاً ہر ولایت میں ایک محکمہ حفظان صحت اور ضلع کی ہر حکومت میں ایک محکمہ طبابت قائم کیا، اور یہ سب اپنے مرکزہ وزارت صحت و معاونت اجتماعیہ سے ملحق رہے، اس طریقہ سے، محکمہ حفظان صحت اور چند سو محکمہ طبابت قائم ہو گئے،

اس جدید نظام کے قیام سے ایک دشواری ڈاکٹروں کے ملنے کی ہوئی، ترکی کے سد یافتہ ڈاکٹر بالعموم بڑے اور مرکزی شہروں میں رہنے کے عادی تھے، وہ چھوٹے شہروں اور دیہاتوں میں جانے سے گھبرائے بالآخر حکومت کو ایک جبری قانون نافذ کرنا پڑا کہ ہر ڈاکٹر کیلئے دس سال کسی نہ کسی چھوٹے شہر اور دیہات میں قیام کرنا لازمی ہے، اس قانون کے نفاذ کے بعد ملک کے گوشہ گوشہ میں طبی امداد مہیا ہو گئی،

اس کے بعد وزارت صحت نے شفاخانے کھولنے کا اہتمام کیا، چنانچہ ابتداءً (۱۵۰) چھوٹے بڑے شہروں اور دیہاتوں میں ایسے شفاخانے کھولے گئے جن میں مریضوں کے قیام کا بھی انتظام تھا، پھر (۳۰۰) شہروں اور دیہاتوں میں چھوٹی ڈسپنسریاں کھولی گئیں جنہیں مریض اپنا معائنہ کراتے، اور دوائیں لے کر چلے جاتے



ڈسپنسریوں اور شفا خانوں کے کھولنے میں تعمیرات کا ایک وسیع سلسلہ چھڑ گیا، اور بیک وقت لاکھوں روپے کے مصارف حکومت کو برداشت کرنے پڑے،

وزارت صحت نے ان اسپتالوں کے قائم کرنے کے علاوہ ایک دوسری مفید اجتماعی خدمت جو انعام دہی اور امراض متعدی و آبائی کے لئے ایک مستقل محکمہ کا قیام ہے جس حصہ ملک میں جن جن امراض کا غلبہ تھا، وہاں ان کے مخصوص اسپتال قائم کئے، اس طرح پوری ملک ترکہ امراض کی نوعیت کے لحاظ سے متعدد حصوں میں تقسیم ہوئی اور ہر حصہ میں مختلف امراض بلیریا، آتشک، شل، دق اور بچوں کے خاص امراض کے علاج کے مرکز قائم کئے گئے، ان مرکزون اور ان کے ماتحت مقامات کا مفصل نقشہ شائع کیا گیا ہے، اس طرح ان شفا خانوں، ڈسپنسریوں، اور علاج کے مرکزون میں جو دوائیاں بہم پہنچائی گئیں، ان کی لاگت لاکھوں تک پہنچی ہے،

ان طبی کوششوں سے ترکوں کی صحت و تندرستی کو نمایاں فائدہ پہنچا، اور اعداد و شمار واضح ہیں کہ ہر قسم کے امراض میں نمایاں کمی ہو گئی، اور لاکھوں مریض صحتیاب ہوئے،

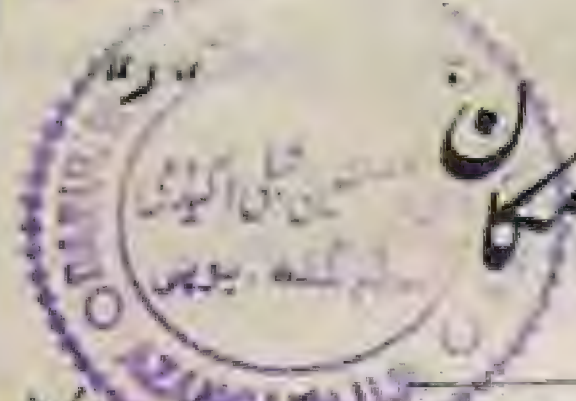
وزارت صحت نے بچوں کی پرورش، پرداخت، اور ان کے علاج و معالجہ پر خصوصیت سے توجہ کی، اور بچوں کے موجودہ پرورش و پرداخت کے طبی و تمدنی اصول و طریق کی عوام میں اشاعت کی، اور خود حکومت نے ایسے مرکز قائم کئے جن میں اعلیٰ پایہ پر پرورش و پرداخت کا سامان بہم پہنچایا، چنانچہ انگورہ، بلاطہ، آٹمنہ اور ارض روم وغیرہ میں پرورش اطفال کے مرکز قائم ہیں،

اسی طرح اس نے دواؤں کی تیاری کے لئے متعدد محمل اور ادارے کھولے، جن میں علمی و فنی ترقیات کے ساتھ دوا سازی کا کام جاری ہے، ان کی بھی ایک لمبی تفصیل ہے،

وزارت صحت کے قوانین، طریق کار اور نظام کی تفصیل میں کتاب کی ایک مستقل ضخیم جلد ہے، حقیقت یہ ہے کہ ترکی جمہوریت سے ترکی قوم کو جو فوائد پہنچے ہیں، انہیں دیکھنے کے لئے محض وزارت تعلیم و وزارت صحت و معاش و اجتماعی خدمات پر ایک نگاہ ڈال لینا کافی ہے، ان سے حکومت کے دوسرے شعبوں کی کارگزاریوں کا بھی اندازہ ہو

اور نظر ایسا کہ ترکی حکومت نے پوری ملک ترکہ اور ترکی قوم میں ایک نئی روح بھونکی ہے، جو پوری قوم کو بیدار کر کے اسکو ہر زندگی میں اس کے معراج کمال پر لجا رہی ہے،

(رائیٹنغرفن کابل)



## کرہ ارض کے علاوہ کسی اور سیارہ پر حیات کا امکان

ڈاکٹر والٹر ایڈمز (WALTER ADAMS) نے جو رصد خانہ ماونٹ ولسن (امریکہ) کے دائرہ نظر میں حال میں یہ دریافت شائع کی ہے کہ نظام شمسی کے نو سیاروں میں صرف تین سیارے ایسے ہیں جہاں حیات ممکن ہے یہ سیارے زہرہ، ارض، اور مریخ ہیں، عطار و حد سے زیادہ گرم اور کرہ ہوا سے بالکل معوی ہے، اس لئے وہاں زندگی کا قیام ممکن ہی نہیں، زہرہ کی آب و ہوا اس سے بہت زیادہ بہتر ہے، اس کی وسعت کرہ ارض کی وسعت کے قریب قریب ہے، اس کا کرہ ہوا بھی کافی وسیع ہے، اگرچہ اس کا کرہ ہوا زمین کے کرہ ہوا سے کسی قدر کم کیفیت ہے، اور گہرے بادلوں کی پرستش، ڈاکٹر ایڈمز کا خیال ہے کہ مہیت دانوں نے زہرہ کی سطح غالباً اب تک نہیں دیکھی ہے، اسی وجہ سے اس کی

سطح کے حالات سے متعلق کوئی واقفیت موجود نہیں ہے، یہ بھی دریافت نہیں ہو سکا ہے کہ زہرہ میں دن کتنا بڑا ہوتا ہے اس سیارہ کی رات کے حصہ کا ٹیمپریچر بھی بظاہر وہی معلوم ہوتا ہے جو دن کے حصہ کا ہے، لہذا قیاس کیا جاتا ہے کہ اس کی گردش محوری چھوٹی ہے، برخلاف اس کے طیف نما (SPECTROSCOPE) کی مدد سے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ایک دن کرہ ارض کے کئی دنوں کے برابر ہے، زہرہ کے کرہ ہوا کی ترکیب کا اہم مسئلہ طیف نمائے ایک حد تک حل کر دیا ہے، بادلوں کی تہ کے اوپر زیادہ تر کاربن ڈی آکسائیڈ (CARBON DIOXIDE) ہے، اور اگر

اس کے تمام کرہ ہوا میں یہی عنصر غالب ہے تو یقیناً اس کی سطح پر اُس نوع کے جانداروں کا وجود ممکن نہیں جس نوع کے جانداروں پر کرہ ارض کی آبادی مشتمل ہے، اس سلسلہ میں ایک نظریہ یہ پیش کیا گیا ہے کہ زمین کے کرہ ہوا کا آکسیجن پودوں سے نکلتا ہے جو کاربن ڈی آکسائیڈ استعمال کرتے ہیں اور آکسیجن کو بیکار پیداوار کے طور پر خارج کر دیتے ہیں، ممکن ہے کہ زہرہ کے کرہ ہوا میں کاربن ڈی آکسائیڈ کی کثرت کی وجہ سے پودے یا جاندار وہاں زندہ نہ رہ سکتے ہوں، لیکن یہ چیز



یقین کے ساتھ نہیں کسی جاسکتی کیونکہ یہ بھی ممکن ہے کہ کرہ ہوا کا بالائی حصہ اس کے تحتانی حصہ سے بہت کچھ مختلف ہو۔ چنانچہ اس امر کی شہادت موجود ہے کہ زمین کے کرہ ہوا کے بالائی حصہ میں زیادہ ترناٹروجن ہے، لہذا اگر کوئی طیف نامہ کے ذریعہ زمین کو زہرہ کی سطح سے دیکھے، تو وہ بجا طور پر یہ قیاس کر سکتا ہے کہ کرہ ارض پر بھی کوئی زندگی پسند مریخ کی مشورہ نہروں کا مسئلہ ابھی تک مختلف فیہ ہے اگرچہ آج بہت کم مہینت دان ان کو مصنوعی تسلیم کرتے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ متعدد اہم باتوں میں مریخ کرہ ارض سے بہت مشابہ ہے، مثلاً مریخ کی گردش عری کی مدت بھی ۲۴ گھنٹہ ہے۔ اس لئے اس کے دن و رات کی طوالت بھی تقریباً اتنی ہی ہے جتنی کرہ ارض کے موسم سرما میں اس کے قطبین میں بھی برف جمع ہو جاتی ہے اور پھر موسم بہار میں گھٹنے لگتی ہے، موسم گرما میں اس کے استوائی حصوں میں نباتات کی علامتیں نمایان طور پر دکھائی دینے لگتی ہیں، علاوہ برین اس کا بھی ایک کرہ ہوا ہے، اور کبھی کبھی اس میں باد بھی نظر آ جاتے ہیں، مشابہت کی ان مثالوں کے باوجود دونوں سیاروں کے حالات میں اختلاف بھی بہت زیادہ ہے، رصد خانہ ماؤنٹ ولسن کی جدید ترین تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ مریخ کے کسی ایک ٹکڑے کے اوپر آزاد آکسیجن کی جو مقدار ہے وہ کرہ ارض کے اتنے ہی بڑے ٹکڑے کے آکسیجن کے ہزار دین حصہ سے زیادہ نہیں ہو سکتی، اس طرح اگرچہ مریخ میں آبی بخار موجود ہو تاہم کرہ ارض کے مقابلہ میں اس کی مقدار بہت ہی کم ہے، پھر یہ کہ اس کا ٹھہر چر تھانی درجوں تک پہنچ جاتا ہے، اگرچہ مریخ آفتاب سے قریب ترین سیارہ ہو تاہم اس کا موسم کبھی سرد ہی رہتا ہے یعنی خطوط سرطان و جدی کے درمیانی خطوں میں بھی تقریباً ۶۰ درجہ ذرا شب میں یہ صفر سے ۱۰۰ درجہ نیچے آ جاتا ہے۔

مشتري كيميائى بعض مہیت انون کی رائے تھی کہ اس کی سطح پر اتنی حرارت موجود ہے کہ زندگی قائم رہ سکتی ہو، لیکن اب رصد خانہ لاؤل کے ڈاکٹر ڈاکٹر سلٹن نے تحقیق پیش کی ہے کہ مشتري اور زحل دونوں سیاروں کے کرہ ہوا کا بالائی حصہ زیادہ متعین اور امنیاس مرکب پر مشتمل ایک سماں پیدا کرنے والی اور اڑدینے والی گیس ہے جسے دلدلی گیس بھی کہتے ہیں، امنیاس ایک مشہور گیس ہے جن لوگوں نے اسے سونگھا ہے وہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ مشتري اور زحل پر زندگی کیونکر گذر سکتی ہے، ان سیاروں کے ہوائی گردوں میں آکسیجن نہیں پایا گیا ہے، اگر آکسیجن موجود ہوتا تو ایک بہت بڑے دھماکے کا ہونا لازمی تھا کیونکہ آکسیجن اور میتھین کے باہم ملنے سے سخت دھماکا پیدا ہوتا ہے، (ڈری وچٹ) "ع ز"

# انجاء علیہ

## امریکہ میں سینیا کا بائیکاٹ

سینیا کی جاسوز تصویروں کو دیکھ کر بالآخر امریکہ کی شوخ نگاہیں بھی نیچی ہو گئیں، اکیسائے کیتھولک کے سربراہوں نے اس فساد کی اصلاح کے لیے ایک انجمن حزب الحیاء (LEGION OF DECENCY) کے نام سے قائم کی ہے جس کے صدر آرچ بشپ جان میک نولس (JOHN MC. NICHOLAS) ہیں، اور دیگر کیتھولک عیسائیوں کو ایک عہد نامہ کے ذریعہ سینیا کے بائیکاٹ کی ترغیب دی ہے اس عہد نامہ پر دستخط کرنے والے عہد کرتے ہیں کہ وہ اپنے گھروں اور کیتھولک اداروں کے علاوہ اور تمام جگہوں کی متحرک تصویروں سے اجتناب کرینگے، پروٹسٹنٹ اور یہودی فرقوں کے پیشوا بھی اس تحریک میں شریک ہو گئے ہیں، امید کی جاتی ہے کہ دوسرے تمام فرقوں کی شرکت بھی جلد حاصل کر لی جائے گی، اور یہ بائیکاٹ جو عنقریب امریکہ کے طول و عرض میں پھیل جانے والا ہے، دنیا کے دوسرے ملکوں میں بھی جاری ہو جائیگا، امریکہ میں سینیا دیکھنے والوں کا اوسط تخمیناً سات کروڑ ستر لاکھ فی ہفتہ ہے، جن میں سے دو کروڑ تیس لاکھ تماشائیوں کی عمریں اکیس سال سے کم ہیں، تحریک بائیکاٹ کی کامیابی سے سینیا کمپنیوں کو جو خطرہ ہے، اس کا اندازہ اس امر سے ہوتا ہے کہ ان کمپنیوں کی ایک منتخب کمیٹی نے آرچ بشپ آف سینٹ لوئی سے یہ استدعا کی ہے کہ ارکان حزب الحیاء کو مہذب تصویریں دیکھنے کی اجازت دیدی جائے، لیکن آرچ بشپ موصوف نے جواب دیدیا ہے کہ یہ اس وقت ممکن ہے جب بجز پاکیزہ تصویروں کے اور کسی قسم کی تصویر سینیا گھروں میں نہ دکھائی جائے، اگر ان میں اچھی اور بری دونوں قسم کی تصویر



دکھائی جائیگی تو ہم اپنی جماعت کو دونوں سے روک دیں گے، جب تک بری تصویریں بالکل نکل نہ دیکھائیں، اچھی تصویریں بھی ان کے ساتھ رہنے سے خراب ہو جائیں گی۔

امریکن سینما کی ان تصویروں کے خلاف جن میں امریکہ کی خانگی زندگی کا نقشہ دکھایا گیا ہے، چین، جاپان، ترکی، اور متحدہ یورپین ممالک نے احتجاج کیا ہے اور حیرت ظاہر کی ہے کہ تہذیب جدید کے اس علمبردار نے اپنے آپ کو تما مش پرستی اور فحاشی کی نذر کر دیا ہے، ان شکایات کا نتیجہ یہ نکلا کہ قوم کے ایک نمایندہ ریڈیو (RAYMOND CANNON) نے امریکہ کی مجلس ملی کے سامنے ایک تجویز پیش کی ہے کہ جو تصویریں اخلاقی نقطہ نظر سے قابل اعتراض ہیں ان کا داخلہ ایک ریاست سے دوسری ریاست میں قانوناً ممنوع قرار دیدیا جائے، اس تجویز سے سینما کمپنیوں میں ایک نمایان تشویش پائی جا رہی ہے، اور وہ کلیسا کے بارے سے زیادہ حکومت کی نگرانی سے خائف نظر آ رہی ہیں،

## بجلی کی دوہری چمک

گزشتہ اپریل میں کیپ ٹون یونیورسٹی (جنوبی افریقہ) کے مشہور سائنس دان پروفیسر شان لینڈ (SCHONLAND) نے ایک جلسہ میں اپنی دریافت بیان کی تھی کہ بجلی کی چمک دوہری ہوتی ہے، اب امریکہ کے تین سائنس دانوں مسٹر لوئڈ (W.L. LLOYD) مسٹر میک ایگرون (K.B. MC) (ERCHYON) اور مسٹر میک مورس (W.A. MC-MORRIS) نے تازہ ترین تحقیق کے ساتھ بیان کی تصدیق کی ہے، اور ایک خاص قسم کے نو ایجاد کمرے سے بجلی کی تصویر لے کر یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ اس کی چمک دوہری ہوتی ہے، ان تصویروں سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر چمک سے پہلے ایک باریک برقی خط بادل سے زمین کی طرف آتا ہے، اس کی رفتار (۱۴) سے (۱۸) فٹ فی منٹرو سکندریٰ یعنی ایک سکند کا دس گنا حصہ ہوتی ہے، اس کے بعد فوراً ہی ایک زبردست کڑک ہوتی ہے، اور بجلی پہلے خط کے راستہ پر زمین سے بادل کی طرف جاتی ہوئی دکھائی دیتی ہے، اس دوسری چمک کی رفتار پہلی چمک سے آٹھ دس گنا زیادہ ہوتی ہے،

## سائنس اور کلچر

انجمنستان کے بعض اکابر فلسفہ و سائنس نے موجودہ سائنس اور کلچر پر کتا بون کا ایک سلسلہ مرتب کرنا شروع کیا ہے جس کی پہلی جلد "سائنٹفک تحقیق اور معاشی ضروریات" (SCIENTIFIC RESEARCH & SOCIAL NEEDS) کے عنوان سے پروفیسر جولین کپلے کے قلم سے نکل کر ابھی حال میں شائع ہوئی ہے، اور رسالہ لٹری گارڈ نے اس پر ایک نوٹ لکھا ہے، اس سلسلہ کا مقصد جدید دنیا سے فکر و عمل کی تصویر پیش کرنا ہے جس کی تشکیل آج سائنس کے ہورہی ہے، پروفیسر کپلے کی تصنیف سائنس کے گزشتہ کارناموں کا ذکر کرنے کے بعد نوع انسانی کی آئندہ ترقی کے لئے اس کی ضرورت اور بہبود و فلاح انسانی کے لئے اس کی ناگزیری بیان کرتی ہے، اس سلسلہ کی ہر جلد جدید خیالات کے کسی ایک پہلو سے متعلق ہوگی، اور پورا سلسلہ بحیثیت مجموعی سائنس کی ہمہ گیر وسعت پر مشتمل ہوگا، اس کی جدید ترین تحقیقات کو پیش کرے گا، اور وہ طریقے بتائے گا جن سے مزید ترقی کی امید ہے، اس سلسلہ کی ادارت پروفیسر لیوی نے قبول کی ہے،

## شہاب ثاقب سے متعلق جدید معلومات

حال میں کئی بڑے بڑے ستاروں کے ٹوٹ کر گرنے سے شہابون کی تحقیق و تفتیش بہت سرگرمی کے ساتھ کی جا رہی ہے اور اس سلسلہ میں بعض اہم مسائل سامنے آ رہے ہیں جنہیں سے ایک سوال آواز اور روشنی کی رفتار سے متعلق بھی پیدا ہو گیا ہے، اب تک روشنی کی رفتار آواز کی رفتار سے بہت زیادہ تیز تسلیم کی جاتی تھی، لیکن اب یہ سوال پیدا ہو گیا ہے کہ کیا دونوں کی رفتار برابر ہے، اس سوال کا سبب یہ ہے کہ ہتیرے قابل وثوق شاہدوں نے بیان کیا ہے کہ شہاب ثاقب ہوائین سو میل یا اس سے زیادہ کی دوری پر تھا جب انہوں نے اس کی سنسناہٹ سنی تھی اور بعض اوقات اس سنسناہٹ ہی کو سنکر ان کی توجہ گرنے والے ستارہ کی طرف مبذول ہوئی تھی،



شمالیوں کے متعلق جدید تحقیق سے ایک چیز یہ بھی معلوم ہوئی ہے کہ شمالی مواد ہر روز کثرت کیساتھ زمین تک پہنچتا رہتا ہے، چنانچہ امریکہ صغریٰ سے جوائنٹ آرٹک (ANTARCTIC) میں واقع ہے، شہادت آئی ہے کہ ایک ارب بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ چھوٹے چھوٹے شہا بے ہر روز زمین کے ہوائی کرہ میں گرفتار ہوتے رہتے ہیں،

## مردوں اور زندوں کی گفت شنید

برطانیہ کے مشہور سائنس دان سر آلیور لاج کا ایک مضمون رسالہ سنڈے گرافک مورخہ ۲۹ جولائی ۱۹۳۲ء میں چھپا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ مردوں اور زندوں کے درمیان گنت و شنید کا تعلق "دورخیا" (TELEPATHY) کے ذریعہ ممکن ہے۔ کیونکہ جو شخص مرچکا ہے وہ جہانی اعصار سے محروم ہو چکا ہے، اور اگر اپنے کسی عزیز کو کسی واقعہ سے مطلع کرنا چاہے تو اسے وقت محسوس ہوتی ہے، تاہم دورخیا کی راہ اب بھی کھلی ہوئی ہے۔

## کچی اور پکی غذائیں

اب تک ایک بڑی جماعت قائل تھی کہ جسم کی طاقت اور توانائی کے لئے کچی غذائیں کچی غذاؤں سے زیادہ مفید ہوتی ہیں، لیکن جدید ترین تحقیق کے مطابق جو کولمبیا یونیورسٹی میں کی گئی ہے یہ خیال سائنٹفک تجربہ کے خلاف ثابت ہوا ہے۔ اور یہ دیکھا گیا ہے کہ کچی غذائیں جسم کو زیادہ طاقت اور توانائی بخشتی ہیں،

## کرہ زمین کی گہرائی

کرہ زمین کی موٹائی اور گہرائی کے متعلق ابھی تک مختلف قیاس آرائیاں تھیں، لیکن اب امریکن سائنس اپنے مختلف تجربوں سے اس نتیجہ تک پہنچے ہیں کہ کرہ زمین کی سطح کی گہرائی اور موٹائی ایک ہزار سو میل ہو، اس قیاس میں انہیں زلزلوں کے جھٹکوں سے بھی مدد ملی ہے، جو بڑی سرعت رفتار کیساتھ سطح زمین کے اندر جاتے ہیں، اور ایک ہزار سو میل پر جا کر رک جاتے ہیں،

## اکتیس بیگنا

## کلام طاہر

از جناب مفتی الدولہ حسام الملک نواب سید علی حسن خان صاحب طاہر

گوش ادگر آہ بے نوائے نیست  
شکست شیشہ دل راگر صدائے نیست  
گراں محبت خود بد گمان شوم چه عجب  
رقیب ساختہ بودن کم از جنائے نیست  
فدائے نیم گاہش ہزار عشوہ و ناز  
کدام شیوہ کہ در ضمن یک ادائے نیست  
رسیدن تو ندانستہ ناگمان بسرم  
مبارک است وے حسبے عائے نیست  
بود معانقہ عید رسم ناز و نیاز  
وگر نہ جلوہ او باکس آشنائے نیست  
پس از ہزار ستم یار بے وفا نمود  
بہ نیم شکوہ من گوید این وفائے نیست  
ہزار وعدہ اگر بشکنی مرا چه غم است  
کہ دانم این کہ سر این بند بے وفائے نیست  
تغافل تو گواہ محبت تو بس است  
خوشم بطالع خود بے اثر دعائے نیست  
گئے بظاہر دل خستہ یک نگاہ کرم  
معاشرانہ سولے است التجائے نیست

## خون جگر

از جناب جگر مراد آبادی

اداجو آئے وہ بے عیب و بے قصور آئے  
خدا وہ دن ذکر سے، آپ کو غور آئے



ذرا تو آنکھ کھلے عقل میں شعور آئے  
نخل کے عشق جو خدا دے سے دور آئے  
جسے ذرا بھی غم عشق پر غور آئے  
چلن میں راہ محبت میں ابے نیاز آئے  
خود اپنی منزل دل، محو ہوتی جاتی ہے  
پہنیں وہ شوق سے تنہا، مگر یہ کیا ممکن؟  
ہزار سجدے کرے رات رات بھر زاہد  
زمانے تک تری گلیوں کی خاک چھانی ہو  
کسی کی مست خرامی کا واہ کیا کستا  
مجاز ہے کہ حقیقت یہاں تو حال یہ ہے  
انہیں ہے عشق سے چٹھک مگر یہ کون کہے؟  
اجل جو آتی ہے آئے، مگر اسی صورت  
عجیب چیز ہے، مینا نہ، تصویر بھی  
نظر ہی اپنی، نہ اب دل ہی رہ گیا اپنا  
وہین سے ہم کو ملا ہے سکون دل کیا کیا  
مری طرف سے بھی لے کا روان شوق سلام

ہزار بار لکھے تو، بہار نامہ شوق

ترے بلائے جگر آئے وہ ضرور آئے

ہم اپنے آپے میں آئیں تو وہ ضرور آئے  
ادھر سے کعبہ چلے، اس طرف سے طور آئے  
ترے حضور نہ جائے، مرے حضور آئے  
مری بلا سے، اگر وہ بھی نا مبہور آئے  
نظر میں جب سے مقامات دور دور آئے  
ہمیں سرور نہ آئے، انہیں سرور آئے  
جو دل ہی صاف نہ ہو، کیا جبین پر نور آئے  
مری نگاہ میں کیا جلوہ گاؤ طور آئے  
کہ جیسے قاف شیراز چور چور آئے  
ترے حضور سے اُسٹے، تری حضور آئے  
وہ خود حسین ہے، اُسکو نہ کیوں غور آئے  
کہ جیسے زلف پریشان وہ رشک جو آئے  
یہاں سے ہوش میں پہنچے وہاں چور آئے  
سزا ملی ہے کہ ہم کیوں ترے حضور آئے  
جہان سے ہو کے بہت لوگ نا مبہور آئے  
کہیں جو راہ طلب میں مقام طور آئے

# مطبوعہ حاجت

تاریخ سلطنت خداداد، از جناب محمود خان بنگوری، ۵۵۰ صفحات، اللہ رات پتہ: جناب  
محمد راج الدین نمبر ۹، بلاکپی روڈ، بنگلور

تاریخ سلطنت خداداد، میسور کی نامور سلطنت کے نامور بانی حیدر علی، اور اس کے جانشین شیو سلطان  
کی مکمل تاریخ ہے، یہ ایک طرف مواد اور دلائل اور دوسری طرف جوش و خروش اور عقیدت کے ساتھ مرتب لکھی گئی  
تاریخ سلطنت خداداد کے مصنف اس سے پہلے تاریخ سلطان شہید کے نام سے شیو سلطان کی سوانحی شائع کر چکے ہیں  
اب اس کتاب کے ذریعہ انھوں نے حیدر علی اور شیو، دونوں کی سوانحیوں اور جنگی و عمرانی کارناموں پر مشتمل مختلف  
ابواب آگے پیچھے بڑھا کر سلطنت کی تاریخ مکمل کر دی ہے، بلاشبہ ان مجاہدین کے کارناموں سے اردو زبان  
اس وقت تک متنی دامن تھی، مصنف نے یہ بڑی کئی پوری کی، ترتیب کتاب میں مصنف نے فارسی اور انگریزی کے  
قریب قریب سب ماخذوں سے فائدہ اٹھایا ہے، اور کوشش کی ہے کہ سلاطین کے کارناموں کے ساتھ ان کی  
مزین طاقتوں یعنی انگریز، نظام، اور مرہٹوں کے باہمی تمام ساز و باز کو کھول کر رکھیں، یہ کتاب ہندوستان  
میں انگریزوں کے طاقت پکڑنے اور اسلامی سلطنتوں کے زوال پانے کے اسباب کے سمجھنے میں بھی بڑی مدد دے گی  
ترجمہ و شرح کلیات قانون، از مولوی حکیم محمد کبیر الدین صاحب، استاذ طبیبہ کلج

دہلی ناشر دفتر المسیح، قزوین، دہلی، صفحات ہر دو حصہ ۱۱۸۰، ص ۱۱۸۰

حکیم محمد کبیر الدین صاحب، طبی کتابوں کی تالیف و ترجمہ کی مفید خدمت میں مصروف ہیں، اس سلسلہ  
کی نئی کڑی شیخ بوعلی سینا کی ضخیم کتاب کلیات قانون کا ترجمہ مع ضروری حواشی و شرح ہے، حکیم صاحب موصوف



کو طبعی کتابوں کے اردو میں منتقل کرنے کا ایک خاص سلیقہ حاصل ہو گیا ہے، اس لئے اس کتاب کے فن کی اہم و مخلص کتاب ہونے کے باوجود ترجمہ نہایت صاف، سلیس اور روان ہے، کتاب میں ایک جانب اصل عربی عبارت اور دوسری طرف اس کا ترجمہ درج ہے، اصطلاحات کی تشریح دہین پر قوسین میں کر دی ہے اور معانی و مطالب کی تشریح کتاب کی مختلف مستند شروحوں کے ترجمہ سے کی ہے، جن میں گیلانی کی شرح پر زیادہ اعتماد کیا ہے، نیز بعض مقامات پر اپنی ذاتی رایوں اور معلومات کو بھی درج کیا ہے، مفہامین کی فہرست بہ ترتیب حروف تہجی آخر میں منسلک ہے، اگر کتاب کے دیباچہ کے ان اوراق میں جہان ابواب و فصول کا ذکر ہے، اس اردو نسخہ کے صفحات قوسین میں درج کر دیئے جاتے تو ابواب و فصول اور ترتیب مضامین کی فہرست بھی تیار ہو جاتی،

**مرحوم دہلی کالج**، از مولوی عبدالحق صاحب، بی۔ اے، ۱۷ صفحات، تقطیع رسالہ اردو کی عمر  
انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد، دکن،

مولوی عبدالحق صاحب بی۔ اے، نے رسالہ اردو کے کئی نمبروں میں دہلی کے مشہور مدرسہ دہلی کالج پر مسلسل مضمون لکھے تھے، انہیں اب کتاب کی شکل میں شائع کیا گیا ہے مضمون پر از معلومات ہے، اس سے اٹھارہ اوئیوں صدی میں ہندوستان کی تعلیمی حالت پر روشنی پڑتی ہے، جس زمانہ میں کہ ہمارے قدیم مذہبی اہل ہند ہوتے ہیں اور انگریزی تعلیم کا آغاز ہوتا ہے، ہندوستان میں انگریزی تعلیم کے رائج کرنے کی جو کوشش کی گئیں حکومت کا ہندوستان میں تعلیم کے متعلق جو زاویہ نگاہ رہا، اور جو حکمت عملی اختیار کی گئی، یہ سارے مباحث دہلی کالج کی تاریخ کے ساتھ ساتھ اس رسالہ میں موجود ہیں، اس طرح یہ گویا ہندوستان میں مشرقی کی سند علم و فضل کے تہ کرنے اور "لکچر زہاں" تعمیر کر کے میزوں پر مغربی بساط تعلیم بچانے کی ایک سرگزشت خیالات ہما تا گاندھی، حجم ہر دو حصہ ۵۱۲ صفحے تقطیع چھوٹی قیمت ہر ایک حصہ چھپتے: جٹا

رفتہ یارحان حکیم بڈنگ، تیسری منزل، دھرم پورہ، بمبئی ہسٹری

جناب سی ایف اینڈریوز کو گاندھی جی کی زندگی سے گہری دلچسپی ہے، جنوبی افریقہ میں دو نو کا ساتھ رہ چکا ہے، موصوف نے اپنی اس انگریزی کی تصنیف میں گویا ان کے فلسفہ مقصد زندگی، اور سیاسی مطمح نظر کو پیش کیا ہے، جو زیادہ تر ان کی تحریریں، تقریرون، اور عام و خاص مجلسوں کی گفتگوؤں سے مقبوس و مرتب ہے، کتاب دو حصوں میں ہے، پہلا حصہ مذہبی ماحول اور دوسرا "تاریخی ماحول" کے عنوان سے ہے، جس میں مختلف قسم کے مذہبی، سیاسی، معاشرتی اور اجتماعی مسائل و مباحث پر ان کے خیالات و معتقدات بیان کئے گئے ہیں، موصوف کی یہ انگریزی کتاب یورپ سے شائع ہوئی، اور مقبول ہوئی، اس کا عربی ترجمہ بھی مصر سے شائع ہو چکا ہے، اب بمبئی کے کسی گنہگار محب وطن نے اس کو سلیس اردو زبان میں منتقل کیا ہے، کتاب مختلف اعتبارات سے دلچسپ اور پڑھنے کے لائق ہے،

**پیام سالک**، از جناب پنڈت دینا ناتھ معجز، دہلوی، بی۔ اے، لال حویلی، محلہ چوڑ گران، دہلی،  
قیمت مجلد عمر،

جناب پنڈت دینا ناتھ معجز، دہلوی، بھگوت گیتا کے منظوم اردو ترجمہ کرنے میں کامیاب ہو چکے ہیں، اب انہوں نے "اشنا و کر گیتا" کا اسی طرح منظوم ترجمہ "پیام سالک" کے نام سے کیا ہے، دیباچہ میں دکھایا ہے کہ "اشنا و کر گیتا" کا زمانہ تصنیف بھگوت گیتا سے قدیم ہے، اشنا و کر جی، راجہ جنگ کے زمانہ کے مشہور رشی و مہن تھے، اس گیتا کے ترجمے اس سے پہلے بھی اردو نظم و نثر میں ہو چکے ہیں، جناب معجز نے سب ترجموں کے خصوصیات دکھا کر اس جدید ترجمہ کی ضرورت ظاہر کی ہے، ترجمہ کا طریقہ یوں ہے کہ پہلے سنسکرت کے ہر منتر یا اشلوک کا پہلے ایک شعر میں ترجمہ کیا ہے، پھر اس منتر کی مکمل تشریح درج کی ہے، ترجمہ کی زبان صاف اور شیریں ہے، اور تصوف کے اسلامی اصطلاحات بھی استعمال کئے گئے ہیں،

**مختصر تاریخ عالم**، از جناب سید حکیم احمد صاحب نقوی، ۱۶۰ صفحات، تقطیع چھوٹی، قیمت: - عمر

پتہ: - جناب سید امداد علی منیر گوالیار لیدر کمپنی، مرزا، گوالیار،



مصنف نے دنیا کی مختصر تاریخ چھوٹے چھوٹے حصوں میں لکھنے کا ارادہ کیا ہے، اس کا یہ پہلا حصہ ہے، جس میں عالم کائنات کے ظہور پذیر ہونے کی داستان بیان کی ہے، اس سلسلہ میں عالم ارض و سما، جمادات اور نباتات کی شکل پذیری دکھا کر ابتدائی آثار حیات دکھائے ہیں، پھر حیات کی نشوونما سے حیات انسانی کے تدریجی ارتقاء و تغیرات تک کا بیان آیا ہے، مسائل و مباحث تقریباً سب تحقیقات جدیدہ سے ماخوذ ہیں، کتاب قابل قدر و خد کرے اس سلسلہ کی تکمیل ہو،

**فانوس خیال**، از جناب نواب امین الدین احمد والی ریاست لوہارو، ۱۵۶ صفحات، مکتبہ جامعہ، قندل باغ، دہلی،

یہ ایک افسانہ ہے، جو ایک والی ریاست کے قلم سے عام جذبات انسانی کی ترجمانی کرنے کے لئے لکھا ہے، فسانہ میں لوگوں کی مرضی کے خلاف کسی جگہ شادی کر دینے کے تلخ نتائج دکھائے گئے ہیں، اور اسی میں حسن و عشق کے جذبات کی ترجمانی کی گئی ہے، فسانہ میں مشرقی و مغربی دونوں تہذیبوں، اور سوسائٹیوں کے جلوے نظر آتے ہیں، اس کا ہیرو شرفار کے ایک قدیم مشرقی خاندان کا مغربی تعلیم یافتہ نوجوان ہے، جو اپنی اعلیٰ مغربی و یورپی تعلیم اور مغربی سوسائٹیوں میں رہنے کے باوجود مشرقی آداب و تہذیب اور خیالات کا حامل ہے، مشرق و مغرب کا ایسا امتزاج دلاویز ہوتا ہے، اسی طرح مختلف معاشرتی و اجتماعی مسائل پر بھی غماز خیال کیا گیا ہے، زبان سلیس اور روان ہے، امید ہے یہ فسانہ دلچسپی سے پڑھا جائیگا، اور اس کی المیہ داستان عبرت آموزی کا سامان بہم پہنچائیگی،

**سوزِ بیدل**، از جناب شیخ محمد دلاور خان بیدل، پشاور، ۱۶۶ صفحات، صدر، پتہ:-

دیوان خانہ بیدل، محلہ ملا فضل گزر گنج، پشاور،

جناب بیدل، پشاور کے باشندہ اور اردو زبان کے پرگو شاعر ہیں، اگرچہ موصوف کا آبائی وطن سہارنپور ہے، مگر ناہمال افتخانون میں تھی، وہیں پیدا ہوئے، اور وہیں نشوونما پائی، اس لئے مادری زبان

فارسی تھی، اور اسی مناسبت سے فارسی کے قادر الکلام شاعر ہیں، لیکن آبائی وطن کی کشش سے زبان اردو کے دلدادہ ہوئے، اور اس زبان میں بچپن ہی سے شغور کوئی فرمانے لگے، "سوزِ بیدل" موصوف کے کلام کا مجموعہ ہے، جس میں جناب حصہ اردو کلام کا ہے، کلام مختلف اصنافِ سخن: غزل، مہدس، قصائد، درود، شایان افغانستان، رباعیات اور تعلقات تاریخ و فطرت و تقریبات پر مشتمل ہے، طرزِ شاعری تاثر سادہ، بے نیاز تکلف، اور تحسین و تزیین سے بے پروا، دیوان کے آخر میں مقتدر اساتذہ اردو حضرت ریاض خیر آبادی مرحوم، مسائل دہلوی، مصطفیٰ لکھنوی، اور اتم تلمیذ امیر بیانی وغیرہ کی تقریظیں اور تاریخین درج ہیں، اچھا ہوتا اگر یہ مجموعہ چھپنے سے پہلے ان میں کسی استاد کی نظر سے بھی گزر چکا ہوتا،

**موتی**، از جناب سید یوسف بخاری، دہلوی، ۱۴۴ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت: ۱۲/-، ناشر جناب سید محمد بخاری گلی امام، جامع مسجد، دہلی،

یہ حکیمانہ و شاعرانہ اقوال کا مجموعہ ہے، ہر نتیجہ خیز مقولہ ایک گوہرِ ابدار ہوتا ہے، اسی مناسبت سے اس مجموعہ کا نام موتی رکھا گیا ہے، مقولے مشرقی و مغربی دونوں قسم کے فلاسفہ، حکماء، و شعراء کے ہیں، اور مختلف قسم کے مذہبی، روحانی، اخلاقی، معاشرتی، سیاسی و جذباتی معانی کے حامل ہیں، جناب مصنف نے اپنے مقدمہ میں ضرب الامثال و اقوال کی تشریح اور مختلف قوموں اور ملکوں کے مقولوں میں موازنہ کیا ہے، لیکن ضرورت تھی کہ ہر قول کے قائل کا پتہ دیا جاتا، اور حوالہ بتایا جاتا،

**قرآن ایک معجزہ نما کتاب**، از مولوی محمد عبدالصیر صاحب عقیقی، آزاد، سیوہاروی،

ناشر جناب سید حسن انیس بقائی دفتر پیشوا، دہلی، ۱۰۰ صفحات، قیمت: ۶/-

اس رسالہ میں جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، مصنف نے قرآن مجید کے اعجاز کو بہ دلائل ثابت کیا ہے، مولانا انور شاہ صاحب مرحوم اور مولوی اعجاز علی صاحب دیوبندی وغیرہ نے اس رسالہ کی تحسین کی ہے،

**ہندوستانی کلچر**، از جناب سیٹھ یعقوب حسن صاحب ناشر دفتر کتاب الہدی، بیلا پور، اس، قیمت: ۸/-

جناب سیٹھ یعقوب حسن صاحب نے میسور اسٹیٹ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس میں بحیثیت صدر خطبہ صدارت پڑھا تھا، جس



میں مختلف تعلیمی سائل کے ساتھ زیادہ تر ہندوستانی تہذیب و تمدن کے عنوان پر گفتگو کی ہے، وہی خطبہ ہندوستانی کی تاریخ کے نام سے شائع ہوا ہے، اس میں موصوف نے دکھایا ہے کہ ہندوستانی زبان یعنی اردو اور عام موجودہ ہندوستانی تہذیب کو اسلامی زبان اور اسلامی تہذیب سے موسوم کیا جا رہا ہے، یہ صحیح نہیں، ہندوستان کی تہذیب نے نئے فائقین سے نئی اور بدلتی رہی، اب دراصل ہندوستانی زبان یعنی اردو اور ہندوستانی تہذیب وہی تہذیب ہے جسے عرف عام میں ہندوستان میں اسلامی تہذیب کہا جاتا ہے،

**اسلام اور غلامی**، مصنفہ جناب میان سلطان احمد و جودی، ناشر منیر نظامیہ بکڈپو، ثلثہ پنجاب، قیمت ۱۰/-

اس رسالہ میں ہندوستان کے باشندوں کو اپنی سیاسی غلامی سے نکلنے کی دعوت دی گئی ہے، اور ثبوت و دلائل میں "اسلام و پیغمبر اسلام علیہ السلام کے رسم غلامی کے استیصال کرنے کو پیش کیا گیا ہے، ہمیں نفس مقصد سے اختلاف نہیں لیکن غلاموں کی اصطلاحی غلامی اور ہے، اور سیاسی محکومی اور ہے، جسے استعارہ "غلامی" کہا جاتا ہے، تشبیہ و استعارہ کو اصل واقعہ قرار دینا صحیح نہیں، آزادی ہند کی کوششیں ضرور ہوں لیکن یہ تحریک ان دلائل کی محتاج نہیں، اسلام میں "سیاسی محکومی" کے متعلق بہت کچھ موجود ہے، اسے نمایاں کیجئے،

**جمال الدین افغانی**، از جناب قاضی عبدالغفار صاحب ناشر مکتبہ جامعہ ملیہ دہلی، حجم ۱، صفحہ قیمت ۱۰/-

قاضی عبدالغفار صاحب نے اردو اکاڈمی جامعہ ملیہ کے اجلاس میں جمال الدین افغانی کی سیرت پر ایک مقالہ پڑھا تھا جو اسی نام سے شائع ہوا ہے، اس میں موصوف کے مختصر سوانح حیات کے ساتھ ان کی سیرت کے مختلف پہلوؤں پر بحث کی گئی ہے،

**خطبات**، از مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی، امام جامع مسجد، مونگیر، حجم ۳۶، صفحہ قیمت ۲۰/-، رتبہ: مولوی

محمد رفیق اللہ صاحب صفہ جامع مسجد، مونگیر،

یہ رسالہ چند خطبات جمعہ کا مجموعہ ہے، جن میں قرآن مجید کی اس آیت لا یسلک الذانی الا الذانیۃ، الیہ سے اس خداوند کی تردید کی گئی ہے، کہ ذاتی کا کلمہ مجرزانہ کے کسی سے درست نہیں، اور زمانہ کے بعد نکاح فسخ ہوتا

ہے، یہ فقہ مونگیر میں کسی نو مسلم کا اٹھایا ہوا ہے، اور اسی لئے مقامی طور پر اس رسالہ کے ذریعہ اسکے انفسد کی ضرورت پیش آئی، **رازِ نماز**، مؤلفہ مولانا احمد ایم اے، ناشر انجمن تبلیغ الاسلام، نواب گنج، دہلی، حجم ۳۲، صفحہ ۱۰/-

رسالہ رازِ نماز میں نماز و متعلقات نماز کی خوبیاں اور فوائد و نشین انداز میں بیان کئے گئے ہیں، رسالہ نافذ عام کے لئے انجمن مذکورہ بالا کی جانب سے شائع کیا گیا ہے، اور مفت مل سکتا ہے،

**گلدستہ تبلیغ**، مرتبہ جناب حکیم عبدالحمید صاحب ناشر ادارہ اصلاح نوجوانان لاہور، حجم ۴، صفحہ قیمت ۱۰/-

لاہور میں ایک اصلاحی ادارہ "ادارہ اصلاح نوجوانان" قائم ہے، اس کے سالانہ جلسہ میں تبلیغ اسلام کے موضوع پر مختلف تقریریں اور نظمیں پڑھی گئیں، ان کا مجموعہ گلدستہ تبلیغ کے نام سے شائع ہوا ہے، **جلوہ سبحانی**، مرتبہ جناب رسوا و تاج، صاحبان، شائع کردہ انجمن اسلامیہ گونئی ضلع فتح پور، صفحہ ۱۰/-

شہرام کے ایک باہمت مسلمان سید شاہ سجان احمد صاحب پایادہ حج کو نکلے ہیں، اور التزام یہ رکھا ہے کہ ہر پانچ قدم پر دو رکعت نفل ادا کریں، یہ کام اسلامی نقطہ نظر سے جیسا کچھ ہو، لیکن وہ جہان جہان سے گزرے، مسلمانوں نے ان کی پیروی کی، اس رسالہ میں موصوف کے سوانح حیات کے ساتھ ان کے مقام گونئی ضلع فتح پور پہنچنے اور ان کے استقبالیہ جلسوں وغیرہ کی روداد کا تذکرہ ہے، اور استقبالیہ نظمیں اور رباعیان درج ہیں، رسالہ کا ڈیزائن الہ آباد یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر زبیر احمد صاحب ایم اے، پی ایچ ڈی نے لکھا ہے،

**نمازِ عشق**، از جناب شفق رضوی، عماد پوری، ۸ صفحہ، ناشر مولوی غلام مصطفیٰ جذب جائسی

درسہ سبحانیہ، الہ آباد،

یہ ایک سوس نظم ہے، جو جناب سید سجان احمد صاحب شہرامی موصوف کی شان میں الہ آباد کے وردی کے موقع پر پڑھی گئی، اور علیحدہ طبع کرائی گئی،

**تدبیر ترقی**، مؤلفہ جناب کامل بی بی، ابونپوری، پبلشر منیر صاحب برقی، ابونپور، حجم ۸، صفحہ قیمت ۱۰/-

اس رسالہ میں بیکار نوجوانوں کو کوئی نہ کوئی شغل اختیار کر کے روزی کمانے کی تدبیریں بتائی گئی ہیں اور



اسی غرض سے اس میں مختلف پیشوں اور صنعتوں کے طریقے، اور ان کے نسخے درج ہیں، رسالہ کارآمد ہے،

## بچوں کی کتاب، از جناب حامد علی بی اے، ال ٹی، حجم ۲، صفحے، قیمت ۴۰ روپے، مکتبہ جالبیہ دہلی

یہ بچوں کے لئے ایک مفید اور کارآمد رسالہ ہے، جس میں ایک لڑکے اسد کو ہیر و قرار دیکر مختلف عنوانوں سے الگ الگ چھوٹے چھوٹے قصے اور مضمون درج ہیں، اور اس کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ سب مضامین ایک سلسلہ میں لکھے گئے ہیں، کہیں کہیں اسباق کا خلاصہ اردو نظم میں بیان کیا گیا ہے، جو بچوں کے لئے زیادہ دلچسپ ہوگا، لکھائی چھپائی بچوں کے مناسب ہے،

ریحان حمید، از جناب مولوی حمید الزمان خان صاحب حمید شاہجہان پوری، حجم ۸۰ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی عمدہ، مطبوعہ اگرہ اخبار، اگرہ، قیمت اور پتہ درج نہیں،

ریحان حمید کے نام سے مصنف کے فارسی غزلیات قطعات، ایک فارسی خط، اور چند اردو غزلوں کا مجموعہ، انتخاب مصحفی، مرتبہ مولوی سید حبیب احمد صاحب آف کاظمی، ناشر منیر کتب خانہ حبیبیہ، محلہ کلکتہ

اردو، یو پی، حجم ۴۴ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت ۱۰ روپے

شیخ غلام سہرانی مصحفی کے چھ دیوانوں کا یہ مختصر انتخاب ردین واریتار کیا گیا ہے،

رسالہ ہمایون کا افسانہ نمبر، گذشتہ مہینہ میں اردو کے رسالوں کے خاص نمبروں پر تبصرہ کرنے

کے بعد رسالہ ہمایون کا افسانہ نمبر ملا، جو بڑے اہتمام سے تیار کیا گیا ہے، ادارہ ہمایون نے افسانہ کے لئے انہی مقابلہ کا اعلان کیا تھا، جن میں افسانے مقابلہ میں منتخب ہوئے، جنہیں ۲۵، ۲۵ اور ۵ کی رقمیں بطور انعام دی گئیں، یہ افسانے بھی اس نمبر میں چھپے ہیں، اس کے اکثر افسانہ نگاروں سے ماخوذ ہیں، ضرورت ہے کہ آئندہ مقابلہ میں طبعاً افسانہ کی شراکت لگائی جائے کہ ہمارے نوجوان ادیبوں کی جودت طبع کا حال بھی معلوم ہو، افسانے قریب سب کے سب اچھے ہیں، اس نمبر کی قیمت ۱۰ روپے اور رسالہ کے خریداروں کو اسی سالانہ قیمت ۵ روپے میں یہ بھی ملیگا، پتہ:-

منیر رسالہ ہمایون نمبر ۲۳، لارنس روڈ، لاہور

## مصنفین کی ادبی کتابیں

موازنہ انیسویں و سیر (از مولانا شبلی) اور کچھ دیگر کمال شعرا میر انیس کی شاعری پر ریویو، اردو میں فصاحت و بلاغت کے اصول کی تشریح، مرثیہ کی تاریخ میر انیس کے بہترین مرثیوں کا انتخاب، اور مرزا و میر سے ان کا موازنہ، اردو میں اپنے فن میں یہ پہلی کتاب ہے، ضخامت ۲۸۴ صفحے، قیمت ۳۰ روپے

کلیات شبلی اردو، مولانا کی تمام اردو نظمیں کا مجموعہ جس میں مثنوی صبح امید، قصائد جو مختلف مجلسوں میں پڑھے گئے، اور وہ تمام اخلاقی، سیاسی، مذہبی، اور تاریخی نظمیں، جو کان پور، ٹرکی، طرابلس، بلقان، مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی وغیرہ کے متعلق لکھی گئی ہیں، پنجاب میں، یہ نظمیں درحقیقت مسلمانوں کے چل سالہ جدوجہد کی ایک مکمل تاریخ ہے، لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ، ضخامت ۱۳۰ صفحے، قیمت ۱۰ روپے

افادات ہمدی، ملک کے نامور انشا پرداز ایم ہمدی جن مرحوم افادی الاقتصادی کے ۳۰ مضامین کا مجموعہ مع مقدمہ و ضمیمہ جات، مطبوعہ معارف پریس، اعظم گڑھ، لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت ۳۰ روپے، حجم ۳۰۵ صفحے

سرگزشت ادب ترکی، جس میں ترکی ادب کی مختصر اجمالی تاریخ دلا دیز انداز میں بیان کی گئی ہے، ۲۰ روپے، مکمل بھیکر طلب کریں، (از مولانا ریاست علی)

شعر المندھجہ اول، جس میں قمار کے دور سے لے کر اردو شاعری کے تاریخی تغیرات و انقلابات کی تفصیل کی گئی ہے، اور ہر دور کے مشہور اساتذہ کے کلام کا ہم موازنہ کیا گیا ہے، کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ مطبوعہ، قیمت ۲۰ روپے، (از مولانا عبد السلام ندوی)

موازنہ دوم، جس میں اردو شاعری کے تمام اصناف یعنی غزل، قصیدہ، مثنوی اور مرثیہ وغیرہ پر تاریخی و حیثیت سے تنقید کی گئی ہے، کاغذ اور کتبت عمدہ، ضخامت ۴۵۹ صفحے، قیمت ۱۰ روپے

شعرا، اردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور اس کی شاعری کا آغاز، اور عہد بھمد کے اردو شعرا کے صحیح انتخاب اور ان کے منتخب اشعار اردو میں شعرا کا مجموعہ مکمل کر رہا ہے، جس میں آب حیات کی غلطیوں سے بچا گیا ہے، دلی سے لے کر حالی و اکبر تک، حالات، تاریخ، قیمت ۵ روپے، (از مولانا عبد الحمید صاحب مرحوم)

مثنوی شبلی، مولانا شبلی مرحوم کے دوستوں اور شاگردوں کے نام خطوط کا مجموعہ، جس میں مولانا کے قومی خیالات اور علمی، تعلیمی، اور ادبی فکرات و حقیقت مسلمانوں کی تیس برس کی تاریخ، (از مولانا شبلی)

موازنہ اول، ضخامت ۳۴۹ صفحے، قیمت ۱۰ روپے

موازنہ دوم، ضخامت ۲۶۱ صفحے، قیمت ۱۰ روپے